صُفّہ اور اصحابِ صُفّہ

اسلام کی پہلی درسگاہ صُفّہ کا تعارف اور اس میں تعلیم و تربیت
پانے والے صحابہ کرامؓ کے جادو اثر حالات کا منفرد اور دلچسپ مجموعہ

مؤلف
مولانا مفتی مبشر صاحب

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳۷

صُفّہ

اور

اصحابِ صُفّہ

صُفّہ اور اصحابِ صُفّہ

اِسلام کی پہلی درسگاہ صُفّہ کا تعارُف اور اِس میں تعلیم و تربیت
پانے والے صحابۂ کرامؓ کے جادُو اثر حالات کا منفرد اور دلچسپ مجمُوعہ

مؤلّف:
مولانا مُفتی مُبشّر صاحب

بیتُ العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انار کلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

کتاب: صفہ اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم
مؤلف: مولانا مفتی مبشر صاحب
باہتمام: مولانا محمد ناظم اشرف
ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: 042-7352483

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دار العلوم = جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی
بک سنٹر = 32 حیدر روڈ راولپنڈی

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	صفہ اور اصحاب صفہ	۲۵
۲	مقدمہ	۲۶
۳	باب اول ﴿صفہ﴾	۳۱
۴	مقام، فضائل، حالات	۳۲
۵	ایک کپڑے میں نماز	۳۶
۶	تربیت	۳۷
۷	ذریعہ معاش	۳۹
۸	حضرت ابوبکر صدیقؓ کی میزبانی اور کھانے میں برکت	۴۲
۹	حضرت ابوہریرہؓ کا دلچسپ واقعہ	۴۳
۱۰	برکت کا ایک عجیب واقعہ	۴۴
۱۱	اللہ جل شانہ کی طرف سے اصحاب صفہ کی تربیت	۴۶
۱۲	اصحاب صفہ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ	۴۸
۱۳	اصحاب صفہ کو دور کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عتاب	۵۰
۱۴	اصحاب صفہ کا امت کیلئے باعث رحمت ہونا	۵۳
۱۵	اللہ تعالیٰ کے ہاں اصحاب صفہ کے مرتبے کا سبب	۵۴
۱۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصحاب صفہ سے ملاقات کا انداز	۵۷
۱۷	صفہ کے معلم کی حالت	۵۷
۱۸	فکر و اعتبار	۵۸
۱۹	باب دوم ﴿اصحاب صفہ کے تفصیلی حالات﴾	۶۳

٢٠	حکیم الامت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ	٦٤
٢١	نام ونسب	٦٤
٢٢	اسلام	٦٤
٢٣	غزوات وعام حالات	٦٥
٢٤	ترک وطن	٦٥
٢٥	شام کی سکونت	٦٦
٢٦	حضرت عمر کی شام آمد اور ابوالدرداء سے ملاقات	٦٦
٢٧	وظیفہ	٦٦
٢٨	عہدہ قضا	٦٧
٢٩	اہل وعیال	٦٧
٣٠	حلیہ	٦٧
٣١	وفات	٦٧
٣٢	جذبہ تعلیم	٦٨
٣٣	فضل وکمال	٦٩
٣٤	درس قرآن	٧٠
٣٥	تفسیر	٧١
٣٦	حدیث کا شوق	٧٢
٣٧	فقہ کا ذوق	٧٣
٣٨	ذوق عبادت	٧٣
٣٩	خوف محشر	٧٤
٤٠	دنیا سے بے رغبتی	٧٤
٤١	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	٧٥

۴۲	عام مسلمانوں میں آپ کی قدر	۷۶
۴۳	معاشرت	۷۷
۴۴	استغناء	۷۸
۴۵	سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	۷۹
۴۶	نام ونسب	۷۹
۴۷	اسلام سے پہلے	۷۹
۴۸	اسلام کی تلاش میں پہلی آزمائش	۸۰
۴۹	مراجعت وطن	۸۲
۵۰	ہجرت مواخاۃ	۸۳
۵۱	مدینہ کا قیام	۸۳
۵۲	عہد شیخین	۸۴
۵۳	عہد عثمانی	۸۵
۵۴	ربذہ کا قیام	۸۶
۵۵	وفات	۸۷
۵۶	حلیہ	۸۸
۵۷	ترکہ	۸۹
۵۸	فضل وکمال	۸۹
۵۹	حدیث	۸۹
۶۰	فتویٰ دینے میں صداقت	۹۰
۶۱	اخلاق وعادات	۹۰
۶۲	سادگی	۹۲
۶۳	زہدوتقویٰ	۹۳

۶۴	فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاس	۹۴
۶۵	حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۹۵
۶۶	بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پذیرائی	۹۶
۶۷	خلیفہ کی اطاعت	۹۷
۶۸	حق گوئی	۹۸
۶۹	فیاضی وسیر چشمی	۹۸
۷۰	مہمان نوازی اور پڑوس کا حق	۹۸
۷۱	خوش اخلاقی	۹۹
۷۲	سیدنا ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ	۱۰۰
۷۳	نام ونسب	۱۰۰
۷۴	اسلام	۱۰۰
۷۵	غزوات	۱۰۰
۷۶	وفات	۱۰۰
۷۷	اولاد	۱۰۱
۷۸	حلیہ	۱۰۱
۷۹	فضائل ومناقب	۱۰۱
۸۰	سیدنا ابوعبیدۃ ابن الجراح رضی اللہ عنہ	۱۰۲
۸۱	نام ونسب	۱۰۲
۸۲	اسلام	۱۰۲
۸۳	ہجرت	۱۰۲
۸۴	غزوات	۱۰۳
۸۵	غزوات ذات السلاسل	۱۰۳

۸۶	اللہ تعالیٰ کی نصرت کا دلچسپ واقعہ	۱۰۵
۸۷	متفرق خدمات	۱۰۷
۸۸	امین الامۃ کا لقب	۱۰۸
۸۹	شام کی سپہ سالاری	۱۰۸
۹۰	فتح دمشق	۱۰۹
۹۱	معرکہ فحل	۱۰۹
۹۲	فتح حمص	۱۱۰
۹۳	یرموک کی فیصلہ کن جنگ	۱۱۱
۹۴	بیت المقدس کی فتح	۱۱۴
۹۵	رومیوں کی آخری کوشش	۱۱۴
۹۶	امارت	۱۱۵
۹۷	طاعون عمواس	۱۱۶
۹۸	وفات	۱۱۷
۹۹	اخلاق وعادات	۱۱۷
۱۰۰	خوف خدا	۱۱۷
۱۰۱	اطاعت رسول	۱۱۸
۱۰۲	خاکساری وتواضع	۱۲۰
۱۰۳	حلیہ	۱۲۱
۱۰۴	اولاد وازواج	۱۲۱
۱۰۵	سیدنا ابو کبشہ رضی اللہ عنہ	۱۲۲
۱۰۶	نام ونسب	۱۲۲
۱۰۷	اسلام	۱۲۲

۱۰۸	ہجرت	۱۲۲
۱۰۹	جنگی زندگی	۱۲۲
۱۱۰	مشرکین کا اتہام	۱۲۳
۱۱۱	سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ	۱۲۴
۱۱۲	نام و نسب	۱۲۴
۱۱۳	اسلام	۱۲۴
۱۱۴	غزوات	۱۲۴
۱۱۵	اولاد	۱۲۶
۱۱۶	وفات	۱۲۶
۱۱۷	فضائل و مناقب	۱۲۷
۱۱۸	اخلاق	۱۲۷
۱۱۹	سیدنا ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ	۱۲۸
۲۲۰	نام و نسب	۱۲۸
۲۲۱	اسلام و ہجرت	۱۲۸
۲۲۲	غزوات	۱۲۸
۲۲۳	حلیہ	۱۲۹
۲۲۴	وفات	۱۲۹
۲۲۵	روایات	۱۲۹
۲۲۶	سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۱۳۰
۲۲۷	نام و نسب	۱۳۰
۲۲۸	قبل از اسلام	۱۳۰
۲۲۹	اسلام و ہجرت	۱۳۰

۲۳۰	غزوات	۱۳۱
۲۳۱	ماں کا قبول اسلام	۱۳۱
۲۳۲	عہد خلفاء	۱۳۲
۲۳۳	علالت	۱۳۳
۲۳۴	وصیت	۱۳۴
۲۳۵	وفات اور تجہیز و تکفین	۱۳۴
۲۳۶	ترکہ	۱۳۴
۲۳۷	حلیہ	۱۳۵
۲۳۸	لباس	۱۳۵
۲۳۹	فضل و کمال	۱۳۵
۲۴۰	ذوق علم	۱۳۵
۲۴۱	حدیث میں آپ رضی اللہ عنہ کا مقام	۱۳۶
۲۴۲	کثرت روایت کا سبب	۱۳۷
۲۴۳	حدیث کی تحریر و کتابت	۱۳۹
۲۴۴	امتحان	۱۴۰
۲۴۵	اشاعت حدیث	۱۴۰
۲۴۶	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۴۲
۲۴۷	عام تعلیم	۱۴۳
۲۴۸	اخلاق و عادات	۱۴۳
۲۴۹	خوف قیامت	۱۴۴
۲۵۰	عبادت و ریاضت	۱۴۵
۲۵۱	محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۴۶

۲۵۲	محبت آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۴۷
۲۵۳	والدہ کی خدمت گزاری	۱۴۷
۲۵۴	اظہار حق میں بے باکی	۱۴۷
۲۵۵	فقر وغنا	۱۴۸
۲۵۶	فیاضی	۱۴۹
۲۵۷	سیدنا ابوالیسر رضی اللہ عنہ	۱۵۰
۲۵۸	نام ونسب	۱۵۰
۲۵۹	اسلام	۱۵۰
۲۶۰	غزوات	۱۵۰
۲۶۱	فضائل واخلاق	۱۵۱
۲۶۲	وفات	۱۵۱
۲۶۳	حلیہ	۱۵۱
۲۶۴	سیدنا بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ	۱۵۲
۲۶۵	نام ونسب	۱۵۲
۲۶۶	اسلام	۱۵۲
۲۶۷	ابتلاء واستقامت	۱۵۲
۲۶۸	آزادی	۱۵۳
۲۶۹	ہجرت	۱۵۳
۲۷۰	موذن اسلام	۱۵۴
۲۷۱	لیلۃ التعریس	۱۵۵
۲۷۲	غزوات	۱۵۵
۲۷۳	جہاد	۱۵۶

۲۷۴	شام میں سکونت	۱۵۷
۲۷۵	وفات	۱۵۸
۲۷۶	اخلاق	۱۵۸
۲۷۷	مذہبی زندگی	۱۵۹
۲۷۸	حلیہ	۱۶۰
۲۷۹	ازواج	۱۶۰
۲۸۰	سیدنا ثابت بن ودیعۃ رضی اللہ عنہ	۱۶۱
۲۸۱	نام ونسب	۱۶۱
۲۸۲	فضل وکمال	۱۶۱
۲۸۳	غزوات	۱۶۱
۲۸۴	سیدنا ثوبان بن بجد رضی اللہ عنہ	۱۶۲
۲۸۵	نام ونسب	۱۶۲
۲۸۶	غلامی	۱۶۲
۲۸۷	سفر شام	۱۶۲
۲۸۸	غزوات	۱۶۳
۲۸۹	فضل وکمال	۱۶۳
۲۹۰	مناقب	۱۶۳
۲۹۱	وفات	۱۶۳
۲۹۲	سیدنا حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۲۹۳	نام ونسب	۱۶۴
۲۹۴	روایات	۱۶۴
۲۹۵	غزوات	۱۶۵

۲۹۶	سیدنا خبّاب بن الارتؓ	۱۶۶
۲۹۷	نام ونسب	۱۶۶
۲۹۸	اسلام	۱۶۶
۲۹۹	آزمائش	۱۶۶
۳۰۰	ہجرت ومواخاۃ	۱۶۸
۳۰۱	بیماری وفات	۱۶۸
۳۰۲	وصیت اور وفات	۱۶۹
۳۰۳	فضائل ومناقب	۱۶۹
۳۰۴	ذریعہ معاش	۱۶۹
۳۰۵	ترکہ	۱۶۹
۳۰۶	فضل وکمال	۱۶۹
۳۰۷	سیدنا خبیب بن یسافؓ	۱۷۱
۳۰۸	نام ونسب	۱۷۱
۳۰۹	اسلام	۱۷۱
۳۱۰	ہجرت	۱۷۱
۳۱۱	نکاح اور اولاد	۱۷۱
۳۱۲	وفات	۱۷۱
۳۱۳	سیدنا زید بن خطابؓ	۱۷۲
۳۱۴	نام ونسب	۱۷۲
۳۱۵	اسلام وہجرت	۱۷۲
۳۱۶	غزوات	۱۷۲
۳۱۷	فتنۂ ارتداد اور شہادت	۱۷۳

۳۱۸	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غم	۱۷۴
۳۱۹	حلیہ	۱۷۴
۳۲۰	اولاد	۱۷۴
۳۲۱	روایت حدیث	۱۷۴
۳۲۲	سیدنا سالم مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنہ	۱۷۵
۳۲۳	نام ونسب	۱۷۵
۳۲۴	اسلام وہجرت	۱۷۶
۳۲۵	غزوات	۱۷۶
۳۲۶	شہادت	۱۷۶
۳۲۷	فضل وکمال	۱۷۷
۳۲۸	اخلاق	۱۷۸
۳۲۹	سیدنا سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ	۱۷۹
۳۳۰	نام ونسب	۱۷۹
۳۳۱	غزوات	۱۷۹
۳۳۲	فضائل	۱۷۹
۳۳۳	وفات	۱۸۰
۳۳۴	سیدنا سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ	۱۸۱
۳۳۵	نام ونسب	۱۸۱
۳۳۶	غزوات	۱۸۱
۳۳۷	وفات	۱۸۱
۳۳۸	اولاد	۱۸۱
۳۳۹	فضائل ومناقب	۱۸۱

۳۴۰	سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۱۸۲
۳۴۱	نام ونسب	۱۸۲
۳۴۲	قبل اسلام	۱۸۲
۳۴۳	مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کی طرف میلان	۱۸۲
۳۴۴	تبدیل مذہب	۱۸۳
۳۴۵	موصل کا سفر	۱۸۳
۳۴۶	نصیبین کا سفر	۱۸۵
۳۴۷	عموریہ کا سفر	۱۸۵
۳۴۸	اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر	۱۸۵
۳۴۹	غلامی	۱۸۶
۳۵۰	غلامی اور مدینہ کا سفر	۱۸۶
۳۵۱	اسلام	۱۸۸
۳۵۲	آزادی	۱۸۸
۳۵۳	مواخاۃ	۱۸۸
۳۵۴	غزوات	۱۸۸
۳۵۵	عہد صدیقی اور عراق	۱۸۹
۳۵۶	عہد فاروقی	۱۹۰
۳۵۷	گورنری	۱۹۱
۳۵۸	علالت	۱۹۱
۳۵۹	فضل وکمال	۱۹۲
۳۶۰	عام حالات، تقرب بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۹۳
۳۶۱	اخلاق وعادات	۱۹۵

۳۶۲	زہد وتقویٰ	۱۹۵
۳۶۳	رہبانیت سے اجتناب	۱۹۶
۳۶۴	سادگی	۱۹۶
۳۶۵	فیاضی	۱۹۷
۳۶۶	صدقات سے اجتناب	۱۹۸
۳۶۷	حلیہ	۱۹۸
۳۶۸	سیدنا صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	۱۹۹
۳۶۹	نام ونسب	۱۹۹
۳۷۰	اسلام وہجرت	۱۹۹
۳۷۱	غزوات	۱۹۹
۳۷۲	سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	۲۰۰
۳۷۳	نام ونسب	۲۰۰
۳۷۴	ابتدائی حالات	۲۰۰
۳۷۵	اسلام	۲۰۱
۳۷۶	آزمائش واستقامت	۲۰۱
۳۷۷	ہجرت ومال کی قربانی	۲۰۱
۳۷۸	غزوات	۲۰۳
۳۷۹	سہ روزہ خلافت	۲۰۳
۳۸۰	وفات	۲۰۳
۳۸۱	اخلاق	۲۰۳
۳۸۲	فضائل	۲۰۵
۳۸۳	روایات	۲۰۵

۳۸۴	سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ	۲۰۶
۳۸۵	نام ونسب	۲۰۶
۳۸۶	اسلام اور ہجرت	۲۰۶
۳۸۷	غزوات	۲۰۶
۳۸۸	وفات	۲۰۶
۳۸۹	اولاد	۲۰۷
۳۹۰	فضل ومنقبت	۲۰۷
۳۹۱	اخلاق وعبادات	۲۰۷
۳۹۲	سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ	۲۰۸
۳۹۳	نام ونسب	۲۰۸
۳۹۴	ابتدائی حالات	۲۰۸
۳۹۵	اسلام	۲۰۸
۳۹۶	جوش ایمان	۲۰۹
۳۹۷	ہجرت	۲۱۰
۳۹۸	غزوات	۲۱۱
۳۹۹	جنگ یرموک	۲۱۲
۴۰۰	عہدہ قضاء	۲۱۲
۴۰۱	خزانہ کی افسری	۲۱۳
۴۰۲	معزولی	۲۱۴
۴۰۳	حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین	۲۱۴
۴۰۴	علالت	۲۱۵
۴۰۵	وفات	۲۱۷

۴۰۶	علم کا شوق	۲۱۷
۴۰۷	رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت وصحبت کا اثر	۲۱۸
۴۰۸	قرآن فہمی	۲۱۹
۴۰۹	تفسیر بالرائے سے احتراز	۲۲۰
۴۱۰	قرآن کی قرأت	۲۲۱
۴۱۱	روایت میں خوف واحتیاط	۲۲۲
۴۱۲	شاگردوں کو احتیاط کی ہدایت	۲۲۳
۴۱۳	کثرت روایت	۲۲۳
۴۱۴	مذاکرۂ حدیث کا شوق	۲۲۴
۴۱۵	آداب روایت	۲۲۴
۴۱۶	فقہ	۲۲۴
۴۱۷	اصول فقہ	۲۲۶
۴۱۸	اجماع	۲۲۶
۴۱۹	قیاس	۲۲۶
۴۲۰	اجتہاد	۲۲۷
۴۲۱	معاصرین کا اعتراف فضل وکمال	۲۲۸
۴۲۲	بےادب کا انجام	۲۲۸
۴۲۳	نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز	۲۲۹
۴۲۴	ارباب علم کی قدر شناسی	۲۳۰
۴۲۵	درس وتدریس	۲۳۰
۴۲۶	قوت تقریر اور وعظ نصیحت	۲۳۱
۴۲۷	کثرت وعظ سے احتراز	۲۳۲

۴۲۸	اخلاق	۲۳۲
۴۲۹	مذہبی زندگی	۲۳۳
۴۳۰	خانگی زندگی	۲۳۵
۴۳۱	وظیفہ	۲۳۶
۴۳۲	حلیہ	۲۳۶
۴۳۳	سیدنا عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۲۳۷
۴۳۴	نام ونسب	۲۳۷
۴۳۵	اسلام وہجرت	۲۳۷
۴۳۶	غزوات	۲۳۷
۴۳۷	وفات	۲۳۷
۴۳۸	فضل وکمال	۲۳۷
۴۳۹	سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	۲۳۸
۴۴۰	نام ونسب	۲۳۸
۴۴۱	اسلام وہجرت	۲۳۸
۴۴۲	غزوات	۲۳۸
۴۴۳	شہادت	۲۳۹
۴۴۴	تجہیز وتکفین	۲۳۹
۴۴۵	حلیہ	۲۳۹
۴۴۶	فضل وکمال	۲۴۰
۴۴۷	سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	۲۴۱
۴۴۸	نام ونسب	۲۴۱
۴۴۹	اسلام	۲۴۱

۴۵۰	ہجرت	۲۴۴
۴۵۱	تعمیر مسجد	۲۴۴
۴۵۲	غزوات	۲۴۵
۴۵۳	کوفہ کی حکومت	۲۴۵
۴۵۴	تحقیقات پر مامور ہونا	۲۴۷
۴۵۵	خلیفہ ثالث سے اختلاف	۲۴۷
۴۵۶	سفارت کوفہ	۲۴۸
۴۵۷	جنگ جمل	۲۴۹
۴۵۸	جنگ صفین	۲۴۹
۴۵۹	شہادت	۲۴۹
۴۶۰	تجہیز و تکفین	۲۵۱
۴۶۱	اخلاق	۲۵۱
۴۶۲	مذہبی زندگی	۲۵۲
۴۶۳	حلیہ	۳۵۳
۴۶۴	سیدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ	۲۵۴
۴۶۵	نام و نسب	۲۵۴
۴۶۶	بچپن	۲۵۴
۴۶۷	اسلام	۲۵۴
۴۶۸	غزوات	۲۵۵
۴۶۹	فضائل و مناقب	۲۵۵
۴۷۰	اخلاق	۲۵۵
۴۷۱	سیدنا عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ	۲۵۷

۴۷۲	نام ونسب	۲۵۷
۴۷۳	اسلام	۲۵۷
۴۷۴	غزوات اور عام حالات	۲۵۷
۴۷۵	مواخاۃ	۲۵۷
۴۷۶	وفات	۲۵۸
۴۷۷	اولاد	۲۵۸
۴۷۸	فضل وکمال	۲۵۸
۴۷۹	اخلاق	۲۵۸
۴۸۰	سیدنا مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	۲۶۰
۴۸۱	نام ونسب	۲۶۰
۴۸۲	اسلام وغزوات	۲۶۰
۴۸۳	وفات	۲۶۲
۴۸۴	حلیہ	۲۶۲
۴۸۵	سیدنا مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ	۲۶۳
۴۸۶	نام ونسب	۲۶۳
۴۸۷	قبول اسلام	۲۶۳
۴۸۸	ہجرت ومواخاۃ	۲۶۳
۴۸۹	غزوات	۲۶۳
۴۹۰	وفات	۲۶۳
۴۹۱	سیدنا معاذ بن حارث القاری رضی اللہ عنہ	۲۶۴
۴۹۲	نام ونسب	۲۶۴
۴۹۳	غزوات	۲۶۴

۴۹۴	روایات	۲۶۴
۴۹۵	وفات	۲۶۴
۴۹۶	سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ	۲۶۵
۴۹۷	نام و نسب	۲۶۵
۴۹۸	اسلام و ہجرت	۲۶۵
۴۹۹	غزوات	۲۶۶
۵۰۰	فضائل و مناقب	۲۶۶
۵۰۱	وفات	۲۶۷
۵۰۲	حلیہ	۲۶۷
۵۰۳	سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ	۲۶۸
۵۰۴	نام و نسب	۲۶۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿تقریظ﴾

امام الصرف والنحو
مولانا محمد حسن صاحب مدظلہم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. اما بعد!

اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور فضل وکرم سے ہمارے نیک، مخلص رفیق حضرت مولانا مبشر نسیم صاحب زید مجدہم (خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ) نے مختلف موضوعات پر مبارک کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ انہی کتابوں میں سے ایک بابرکت کتاب ''صفہ اور اصحاب صفہ'' ہے اس نیک کتاب میں اصحاب صفہ یعنی نورانی چبوترے پر بارگاہ نبوی ﷺ سے فیض یاب ہونے والی ان جلیل القدر نورانی ہستیوں کا ذکر خیر ہے جن کے نور سے پورے عالم کے قلوب منور ہو رہے ہیں اور قیامت کی صبح تک منور ہوتے رہیں گے ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ حضرت بھائی کی اس پرخلوص کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماوے اور جملہ نیک سلسلوں میں برکت نصیب فرماوے۔ (آمین)

محتاج دعا

محمد حسن عفی عنہ

﴿صفّہ اور اصحاب صفّہ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مقدمہ﴾

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين و على آله و اصحابه اجمعين و من تبعهم باحسان الى يوم الدين امابعد.

خالق کائنات نے اپنے محبوب بندے اور آخری پیغمبر ہادی عالم، شافع محشر سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت قرآن مجید سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۲۹، آل عمران آیت نمبر ۱۶۴ اور سورۃ الجمعہ آیت نمبر ۲ میں جو بیان فرمائے وہ تلاوت کتاب (یعنی قرآن مجید) تعلیم کتاب، تعلیم حکمت (حدیث) اور تزکیہ نفس ہیں۔

جس طرح ان تمام مقاصد کی ادائیگی میں جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے اہتمام میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اس معلم کامل کے تیار کردہ شاگردوں کی مبارک جماعت کی طرف سے ان مقاصد نبوت کا کامل حصول بھی شک وشبہ سے کہیں بالاتر ہے بلکہ ان مزکّی قلوب کا اُس علیم وخبیر ذات نے امتحان لے کر انہیں سند کامیابی بھی عطا فرمادی ہے جس سے کوئی ذرہ کائنات مخفی نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات آیت نمبر ۳ میں فرماتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

''وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ تعالیٰ نے ادب کے واسطے

لِلتَّقْوٰی ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾

ان کے لیے معافی اور بڑا اجر ہے۔''

اس مبارک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مقاصد نبوت کو نہ صرف حاصل کیا بلکہ تعلیم لینے کا حق ہی تو ادا کردیا۔ یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں

اعلان فرمایا۔

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾[بقرہ:۱۳۷]

''پھر اگر وہ بھی یقین لاویں جس طرح پر تم یقین لائے ہو تو راہ پاویں۔''

یعنی ان کے ایمان کو معیار بنا دیا اور اسی وجہ سے ان کی سیرت اور زندگی کے واقعات اس قوت ایمانی اور جوش اسلامی کے طاقتور ترین سرچشموں میں سے ہے جس کو امت مسلمہ نے دل کی انگیٹھیوں کو سلگانے اور دعوت ایمان کے شعلہ کو تیز تر کرنے کے لیے ہمیشہ استعمال کیا ہے جو کہ مادیت کی تیز و تند آندھیوں سے بار بار سرد ہوئی چاہتی تھیں۔ اگر یہ انگیٹھیاں سرد ہو جائیں تو ملت اسلامیہ کے پاس قوت و تاثیر اور امتیاز کا سرمایہ ناپید ہو جائے اور یہ لاشہ بے جان ہو کر رہ جائے جس کو زندگی اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھر رہی ہو۔ تاریخ کی کتابیں یہ واقعات اور قصے اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور ایک گنج گراں مایہ ان زریں حالات کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ اس مبارک جماعت میں سے وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو صرف اور صرف دین سیکھنے اور مقاصد نبوت کی تعلیم کے حصول کے لیے وقف کر دیا تھا اور آستانہ نبوت پر ملازمت رسول کا ایسا حصار کھینچا تھا کہ نہ کوئی بیرونی طاقت ان کو اس عظیم مقصد سے غافل کرتی تھی اور نہ ہی یہ جمال نبوت سے اور کسی طرف آنکھ پھیرتے تھے، اصحاب صفہ کہلائے۔

صفہ عربی میں چبوترے کو کہتے ہیں، سرور دو عالم رسالت مآب جناب رسول اللہ ﷺ ۱۲ ربیع الاول یکم ہجری بمطابق ۲۷ ستمبر ۶۲۲ عیسوی کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے[1] تو مستقل طور پر مسجد نبوی کو اصلاح و ارشاد کے لیے منتخب فرمایا اور یہاں مسجد سے متصل باہر ایک سایہ دار چبوترہ بنا دیا گیا جس پر یہ شمع نبوت کے پروانے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہمہ وقت لسان نبوت سے جھڑنے والے بے بہا گوہر سمیٹنے کی فکر میں رہتے۔

ان اصحاب کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی کیونکہ وہ مسافر حضرات بھی باہر سے آ کر

---

[1] [الرحیق المختوم ص ۱۸۴]

اسی چبوترہ پر قیام کرتے جن کا مدینہ منورہ میں کوئی عزیز یا رشتہ دار نہ ہوتا اور جب یہ مسافر نہ ہوتے تو تعداد گھٹ جاتی۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اصحاب صفہ وہ پردیسی اور بے سروسامان صحابہ تھے جو دنیا سے بے رغبت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجد کو قیام گاہ بنائے ہوئے تھے۔ مسجد کے آخر میں ان کے قیام کے لیے ایک چبوترہ تھا جو مسجد سے علیحدہ تھا اور اس پر سایہ کے لیے کچھ پڑا ہوا تھا اس پر رات گزارتے، ابراہیم حربی اور قاضی عیاض نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کبھی کم ہو جاتے اور کبھی بڑھ جاتے، کبھی ستّر ہو گئے اور کبھی کم وبیش حتیٰ کہ یہ تعداد چار سو تک جا پہنچتی جیسا کہ علامہ قرطبی نے سورۃ نور کی تفسیر میں فرمایا ہے اور تفسیر کشاف میں بھی سورۃ آل عمران کی آیت (لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) کی تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔[1]

جب باہر سے لوگ آ کر ان میں مل جاتے تو ان کی تعداد بڑھ جاتی اور ان میں سے کوئی وفات پا جاتا یا گھر والا ہو جاتا تو ان کی تعداد گھٹ جاتی۔

علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب صفہ کے (۱۰۱) نام گنوائے ہیں اور ایک مستقل رسالہ میں ان حضرات کے اسمائے گرامی جمع کیے ہیں۔

محدث حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''مستدرک حاکم'' میں ۳۴ افراد کو اصحاب صفہ میں شمار کیا ہے اور حافظ ابونعیم نے ''حلیہ الاولیاء'' میں ۴۳ نام لکھے ہیں۔ بہر حال جس کو جو نام دستیاب ہوئے یا جس کی تحقیق جیسی ہوئی اس نے وہ نام لکھ دیئے۔

اصحاب صفہ کے عمومی حالات فقر و فاقہ، تعلیم و تعلّم، ذکر اللہ، محبت آخرت، وغیرہ پر محدث عصر علامہ عاشق الٰہی بلند شہری ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر کتابچہ بنام ''اصحاب صفہ'' اردو زبان میں تالیف فرمایا تھا لیکن اصحاب صفہ کے تفصیلی حالات کسی جگہ یکجا نہ تھے۔ بندہ نے محترم المقام عالی قدر جناب مولانا ناظم اشرف صاحب زید مجدہ جو کہ مکتبہ بیت

[1] تہذیب الاسماء واللغات ج

العلوم پرانی انارکلی کے مالک بھی ہیں، کے مشورے سے بنام خدا حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کو بنیاد بنا کر اس تشنگی و پیاس کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کتاب میں اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے تفصیلی حالات کو جمع کر دیا ہے اور ان حالات کے بیان کرنے میں محدث حاکم کی ''مستدرک'' میں بیان کردہ تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔

محدث حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ''مستدرک صفحہ ۱۹ جلد سوم'' میں جن اصحاب صفہ کے نام درج کیے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (۲) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۳) ابوعبس رضی اللہ عنہ (۴) ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

(۵) ابوکبشہ رضی اللہ عنہ (۶) ابولبابہ رضی اللہ عنہ

(۷) ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہ (۸) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

(۹) ابوالیسر رضی اللہ عنہ (۱۰) بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

(۱۱) ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ (۱۲) ثوبان بن بجدد رضی اللہ عنہ

(۱۳) حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ (۱۴) خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

(۱۵) خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ (۱۶) زید بن خطاب رضی اللہ عنہ

(۱۷) سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ (۱۸) سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ

(۱۹) سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ (۲۰) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

(۲۱) صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ (۲۲) صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

(۲۳) عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ (۲۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۲۵) عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۲۶) عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ

(۲۷) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (۲۸) عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ

(۲۹) عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ (۳۰) مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ

(۳۱) مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ (۳۲) معاذ بن حارث القاری رضی اللہ عنہ

(۳۳) مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ (۳۴) عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ

''محدث حاکم کتاب الہجرہ میں ان ناموں کو تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ان ناموں کو میں نے بہت سی متفرق احادیث سے جمع کر کے لکھ دیا ہے جن میں اصحاب صفہ اور ان کے پاس آ کر قیام کرنے والوں کا ذکر ہے اور روایات کی سندیں میں نے حذف کر دی ہیں۔''

ہم نے ان برگزیدہ ہستیوں کے جادو اثر حالات نقل کرنے میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے وہ یہ ہیں: سیر اعلام النبلاء، اسد الغابہ، الاصابہ، الکامل، الرحیق المختوم، اور اردو کتابوں میں اصحاب صفہ، حیات الصحابہ، کشف الباری اور بطور خاص سیر الصحابہؓ سے استفادہ کیا ہے۔

اور ہم نے اس کتاب کو دو ابواب پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب کا عنوان ''صفہ'' رکھا ہے اور اس باب میں حضرات اصحاب صفہ کی اس چبوترے پر طالبعلمانہ زندگی کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور ''اصحاب صفہ'' کے عنوان سے دوسرے باب میں ان حضرات کے تفصیلی حالات درج کر دیئے ہیں اس طرح ایک مقدمہ اور دو ابواب پر مشتمل اس کتاب کا نام ''صفہ اور اصحاب صفہ'' تجویز کیا گیا ہے۔

اللہ جل شانہ اپنے خاص لطف و کرم سے اس کتاب کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت سے نوازیں اور مادیت کے گھٹاٹوپ اندھیروں کے لیے مثل روشندان کے بنا دیں کہ جس سے ان نجوم ہدایت کی ضیاء پاشیاں بے دینی اور راہ گم کردہ امت مسلمہ کی ظلمتوں کو نور ایمان اور جلائے اذہان کا توشہ فراہم کرے اور بطور خاص اللہ تعالیٰ مکتبہ بیت العلوم کے مالک مولانا ناظم اشرف صاحب زید مجدہ کو جزائے خیر دے جنہوں نے اپنی خاص توجہ و محنت کو آپ تک اس کتاب کے پہنچانے میں صرف کیا۔

جو حضرات اس کتاب سے استفادہ کریں وہ راقم اثیم اور مکتبہ بیت العلوم کے جملہ معاونین کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

احقر العباد مبشر نسیم عفا اللہ عنہ

۱۰ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

بمطابق یکم مارچ ۲۰۰۷ء

باب اول

﴿صفّہ﴾

مقام، فضائل، حالات

صفہ عربی زبان میں چبوترے کو کہتے ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم جب اھ ۸ ربیع الاول بروز پیر بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور نور نبوت کی ضیا پاشیوں کا ایک نئے انداز سے آغاز ہوا تو اکناف واطراف سے لیلائے حق کے دیوانے اس میکدہ میں جمع ہو گئے اور دن رات شمع رسالت کی صحبت کیمیا ساز سے مستفید ہونے لگے۔ یہ مذہب اسلام کے پہلے پہلے آئینے تھے جن کے ذریعے نور نبوت نے منعکس ہو کر کائنات کی وسعتوں میں تا قیامت اپنی حقانیت کو ثابت کرنا تھا۔ ان حضرات کے رہنے کے لیے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے متصل ایک چبوترہ بنا کر اس پر سایہ دار چھپر کر دیا گیا تھا۔

وہ مہاجرین حضرات جو کاروبار نہ کرتے تھے، ان کے پاس گھر تھا نہ کنبہ واہل و عیال، مکہ مکرمہ اور دیگر علاقوں سے دین متین کی تعلیمات براہ راست مشکوۃ نبوت سے حاصل کرنے کے لیے آ گئے تھے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ علم سیکھنے میں ایسی ذلت اٹھانا پڑتی ہے جس میں کوئی عزت نہیں اور سیکھ لینے کے بعد ایسی عزت ملتی ہے جس میں کوئی ذلت نہیں۔ چنانچہ ان حضرات نے علم نبوت کو سیکھنے میں جن تکالیف کو اٹھایا اور جو ذلت برداشت کی وہ آئندہ سطور میں اپنا دیدار کروائیں گی اور ان کو اس کے بعد جو عزت عطا ہوئی اور ان کے ہاتھ سے اسلام کو جو سربلندی نصیب ہوئی اس کی گواہی اپنے اور پرائے سب دیتے ہیں۔ صفہ نامی یہ چبوترہ جو اسلام کی اولین درس گاہ بنا حقیقت میں وہ چشمہ ہے کہ علم وآگہی کا آب حیات اسی چشمہ سے ہوتا ہوا عالم کون کے چپے چپے میں قلوب انسانی کی سیرابی کا سبب بنا۔ ظاہری اعتبار سے یہ چند گز کا چبوترہ اپنے اندر کیا کیمیا اثر رکھتا تھا کہ جس کے اوپر بیٹھنے والے شروع میں گلہ بان اور آخر کو بنی نوع انسان کے راہ نما بنے؟ اور وہ کون سے اعمال تھے جو اس عروس علم کا زیور بنے اور وہاں انجام دیئے جاتے رہے حتیٰ کہ چشم فلک نے

ان کے کامل ہونے کی گواہی دی اور باغ دنیا میں انہی کے دم سے وجد آفریں بہار آئی۔ حقیقت میں یہی اوصاف حمیدہ قیامت تک آنے والے بنی نوع انسان کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے بغیر رفعت و بلندی کا ہمالیہ سر کرنا خام خیالی ہے۔ہم ذیل میں مدرسہ صفہ اوراس کے رہنے والوں کی تعلق داری کا مبارک تذکرہ کریں گے کہ جس کا تذکرہ بھی نفع اور خیر سے خالی نہیں۔

علامہ نوویؒ شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں۔

> ''اصحاب صفہ وہ پردیسی اور بے سروسامان صحابہ تھے جو دنیا سے بے رغبت تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کو قیام گاہ بنائے ہوئے تھے۔ مسجد کے آخر میں ان کے قیام کے لیے ایک چبوترہ تھا جو مسجد سے علیحدہ تھا اور اس پر سایہ پڑا ہوا تھا۔ یہ حضرات اس پر رات گزارتے۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتے کبھی بڑھ کر ستر ہو گئے اور کبھی اس سے کم وبیش حتی کہ یہ تعداد چار سو تک بھی پہنچ جاتی۔
>
> جیسا کہ علامہ قرطبی نے سورۃ نور کی تفسیر میں فرمایا ہے اور تفسیر کشاف میں بھی سورۃ آل عمران کی آیت لِلْفُقَرَا الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ کی تفسیر کرتے ہوئے ایسا لکھا ہے۔[1]
>
> جب ان میں سے کوئی وفات پا جاتا یا مدینہ منورہ سے چلا جاتا یا نکاح کر لیتا تو ان حضرات کی تعداد کم ہو جایا کرتی تھی۔

یہ حضرات پرہیزگاری اور حق تعالیٰ شانہ پر توکل رکھنے کے اعتبار سے بہت بڑے درجوں پر فائز تھے۔ اسی لیے حکیم وخبیر ذات نے انہیں اپنے پاک نبی ﷺ کی صحبت سے شرف یاب ہونے کے لیے چنا اور منتخب فرمایا تھا۔ یہ حضرات ایک طرف تو ایسے بے سروسامان تھے کہ اکثر اوقات پیٹ بھرنے کیلئے بھوک سے بڑھ کر اور کوئی غذا نہ ہوتی تھی

[1] [تہذیب الاسماء واللغات بحوالہ اصحاب صفہ]

دوسری طرف شراب عشق نے ایسا مخمور کر رکھا تھا کہ یہ صفہ نامی چبوترہ ان کے آنسوؤں سے سیراب رہا کرتا اور غنائے قلب کا عالم یہ تھا کہ نظارے انہیں مڑ مڑ کر دیکھتے اور یہ حقیر اور فانی دنیا کی طرف جھوٹی نگاہ سے بھی التفات نہ کرتے۔ انہوں نے دنیا کو دنیا داروں کے حوالے کر کے دولت ایمان کے بے بہا لعل و یاقوت کانِ نبوت سے حاصل کر لیے تھے، ایک طرف یہ حضرات استغناء کی تلواریں ہاتھ میں لیے عجز و تواضع کے بلند و بالا پہاڑوں پر سب سے بڑے دشمن نفس و شیطان کے مقابلے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے تو دوسری جانب میدان جہاد میں کفار کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بھی تھے۔

فقر و فاقہ

حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ بعض مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوئے بھوک کی وجہ سے گر پڑتے تھے اور شہر کے باہر سے آنے والے لوگ ان کو دیکھتے تو دیوانہ کہتے کہ یہ لوگ نماز پڑھتے ہوئے گر پڑتے ہیں یہ تو دیوانے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو ان سے فرماتے تھے کہ اگر تم کو علم ہو جائے کہ تم کو اس فقر و فاقہ کی وجہ سے کیا ملنے والا ہے تو تم اس سے بھی بڑھ کر فاقہ اور محتاجگی کی تمنا کرو۔[1]

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سات آدمی (مدرسہ صفہ میں) تھے اور ساتوں بھوکے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے (یعنی ابو ہریرۃ کو) سات کھجوریں عنایت فرمائیں اور فی کس ایک ایک دانہ کھجور حصے میں آئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس مدرسہ کے سب سے زیادہ حاضر باش طالب علموں میں سے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک روز اصحاب صفہ کے ساتھ صفہ پر موجود تھا۔ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوریں بھجوائیں چونکہ بھوک بہت لگ رہی تھی۔ اس لیے ایک ایک کر کے کھجور کھانے کے بجائے اکٹھی دو دو کھانا شروع کر دیں اور بھوک کے اس حال میں بھی دوسروں کے حقوق کا خیال یوں رکھا کہ ہر ایک سے کہہ دیا کہ ہر شخص دو دو ملا کر

---

[1] [الترغیب والترہیب]

کھجوریں کھائے تاکہ کوئی زیادہ نہ کھائے اور کوئی کم کھانے کی وجہ سے نقصان میں نہ رہے۔[۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھوک کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان بے ہوش پڑا رہتا تھا اور راہ چلنے والے مجھے دیوانہ اور مجنوں سمجھ کر میری گردن پر پاؤں رکھ کر جاتے تھے۔ (اہل عرب میں گردن کو پاؤں سے دبانا جنون کا علاج سمجھا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ اس طریقہ سے جنون زائل ہو جاتا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دیوانگی نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ بے ہوشی بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔

انہی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں بھوک کی وجہ سے اپنا پیٹ زمین کے ساتھ چپکا دیا کرتا تھا اور بعض اوقات پتھر بھی باندھ لیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملا اور اسی حالت میں تین دن گزر گئے اور ایسی کمزوری ہوئی کہ صفہ تک جانا مشکل ہو گیا اور چلتے چلتے گر پڑتے۔ یہ حالت دیکھ کر لڑکے کہنے لگے کہ ابو ہریرہ دیوانہ ہو گیا ہے اسی طرح جب صفہ پر پہنچا تو وہاں دیکھا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ثرید کے دو پیالے ہدیہ پیش کیے گئے ہیں اور آپ ان پیالوں میں اصحاب صفہ کو کھلا رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں قریب ہو کر اونچا ہوتا تاکہ آپ کی نظر مبارک مجھ پر بھی پڑ جائے اور آپ مجھے بلا لیں حتیٰ کہ سب فارغ ہو گئے اور میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ ایک پیالے کے کناروں پر جو کچھ لگا رہ گیا تھا اس کو جمع فرما کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عنایت فرمایا جو ایک لقمہ سے زیادہ نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھالو۔ خدا کی قسم! اس میں اتنی برکت ہوئی کہ میں اس کو کھاتا رہا یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا۔

لباس کی حالت

فقر و فاقہ کی جس بھٹی میں ان حضرات کی تربیت کی گئی وہ ان ہی کا حوصلہ تھا کہ

---

۱ [حلیۃ الاولیاء]

۲ [ایضاً]

اتنی سختی اور مشکلات کے باوجود بھی دامنِ صفہ کے ساتھ باوفا رہے۔ بھوک کا عالم تو آپ نے ملاحظہ فرمالیا یہی حال ان کے کپڑوں کا بھی تھا۔ تن ڈھانکنے کو بھی پورا کپڑا میسر نہ تھا بلکہ کبھی ستر چھپانے کیلئے کپڑا نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ اصحاب صفہ بیٹھے تھے اور کسی کے پاس ستر چھپانے کو بھی پورے کپڑے نہ تھے۔ یہ لوگ ننگیج کو چھپانے کے لیے ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھے تھے اور دوسرے کو اپنے ستر کے لیے آڑ بناتے تھے۔[1]

اصحاب صفہ کے پاس کپڑوں کی کمی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے لباس میلے ہو جاتے لیکن دوسرا کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے اسے دھونے کی نوبت نہ آتی تھی۔ اصحاب صفہ میں سے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ہم میں سے کسی کے پاس پورا کپڑا نہ تھا جس سے بدن چھپ جاتا۔ چونکہ کپڑا دھونے اور نہانے کے لیے کم از کم دو کپڑوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ ایک پہنے رہے اور دوسرے کو دھو کر یا غسل کر کے سکھا دے اس لیے ان کپڑوں کے دھونے کی نوبت کم آتی تھی اور اسی وجہ سے کئی کئی دن بغیر غسل کے گزر جاتے حتیٰ کہ ہماری کھالوں پر پسینہ کے باعث میل اور غبار کافی مقدار میں چڑھ گیا تھا۔

ایک کپڑے میں نماز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں جن میں سے کسی کا کپڑا گھنٹوں تک پہنچا ہوا تھا اور کسی کا اس سے نیچا تھا جب رکوع میں جاتے تو اسے ہاتھ سے پکڑ لیتے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔ چونکہ اصحاب صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں کم یا زیادہ ہوتی رہتی تھی اس لیے اس روایت میں ستر کا ذکر کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ کے پاس تن ڈھانکنے کو بڑی چادر بھی نہ تھی جس سے پورا جسم ڈھک لیتے، ہر ایک کے پاس ایک تہبند یا چھوٹی چادر تھی جسے وہ لوگ اپنی گردن میں باندھ رکھتے تھے جو کسی کی آدھی پنڈلیوں اور کسی کے ٹخنوں تک پہنچی ہوئی تھی اور یہ ان کپڑوں کو ہاتھ سے پکڑے رہتے تھے تاکہ ستر نہ کھلے۔

---

[1] [مشکوۃ فضائل القرآن]

تربیت

مدرسہ صفہ کے اس علمی مرکز میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص اہتمام تھا۔حقیقت میں تبلیغ کی گاڑی انہی دو پہیوں پر چلتی ہے اور معلم اول سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے شاگردوں میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ اتم ودیعت کردیئے تھے۔آج بھی جن دینی تعلیمی اداروں میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا انتظام وفکر ہے وہ ان شاء اللہ العزیز منہاج نبوت پر گامزن ہیں جن کے فوائد وثمرات کو دنیا کی کوئی طاقت ضائع نہیں کرسکتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آخر کو انسان و بشر تھے اور ان سے بھی لغزشیں سرزد ہوتی تھیں اور مربی کامل ﷺ ان کی اصلاح وتہذیب فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے نماز کا سلام پھیرا تو اصحاب صفہ میں سے ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ (روزانہ کھجوریں کھا کھا کر) کھجوروں نے ہمارے پیٹ جلا دیئے اور روزانہ ان کا کھانا دشوار ہے اور جو موٹے کپڑے ہم نے پہنے ہوئے ہیں وہ پھٹ چکے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد (بطور تربیت) اپنا حال بیان فرمایا کہ

دس سے کچھ اوپر دن ایسے گزرے ہیں کہ میں اور میرے ایک ساتھی نے صرف پیلو کے پھل کھا کر گزارہ کیا ہے۔مکہ میں ہم نے ایسی ایسی سختیاں اٹھائی ہیں اس کے بعد ہم مدینہ میں اپنے انصاری بھائیوں کے پاس آگئے ان کے پاس کھانے کا اکثر سامان کھجوریں ہی ہیں (ان کے خرچ کرنے میں) انہوں نے دریغ نہیں کیا۔ بلکہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا اب میں ان کے سوا اور چیزیں کہاں سے لاؤں؟ اللہ کی قسم! اگر میں تمہارے لیے گوشت یا روٹی پاتا تو تم کو کھلا دیتا لیکن یہ بات تم سے ضرور کہے دیتا ہوں کہ شاید تم ایسا زمانہ ضرور پاؤ گے جس میں کعبہ کے پردوں کی طرح اچھے کپڑے پہنو گے اور صبح وشام مختلف پیالے تمہارے سامنے رکھے جائیں گے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مسجد میں پیٹ کے بل سو رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے تو آپ نے پیر کے اشارے سے مجھے جگایا اور فرمایا اے جندب! (حضرت ابوذر غفاری کا نام ہے) یہ کس طرح لیٹے ہو؟ یہ تو شیطان کا لیٹنا ہے۔[1]

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب صفہ کے پاس تشریف لائے تو ایک طالب علم کو دیکھا کہ ان کی ران کھلی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ" کیا تجھے معلوم نہیں کہ ران ستر میں داخل ہے۔ (اور اس کا چھپانا ضروری ہے؟)[2]

سوال کرنے کی مذمت اور مخلوق سے بے نیازی کی تعلیم کا واقعہ بھی اسی مدرسے کا ہے۔ جب ایک انصاری نے آ کر آپ سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تیرے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے؟ اس نے عرض کی کیوں نہیں! ایک چٹائی ہے جسے ہم آدھا نیچے بچھا لیتے ہیں اور آدھا اوپر اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کے لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ سائل دونوں چیزیں لے کر حاضر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کو اپنے دست مبارک میں تھاما اور فرمایا ان دونوں چیزوں کو کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا میں ان کو ایک درہم کے بدلے خریدتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا اس سے زیادہ کون دے گا۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ یہ سوال دہرایا تو ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور کہا میں ان کو دو درہم کے بدلے خریدتا ہوں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دونوں چیزیں ان کو بیچ دیں اور دو درہم اس انصاری کو دے دیئے اور فرمایا کہ ایک درہم کا کھانا خریدو اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ اور دوسرے درہم کی ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ چنانچہ جب وہ کلہاڑی لے آیا تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ ٹھونک دیا اور پھر فرمایا جاؤ اس سے لکڑیاں کاٹو اور ان کو بیچو اور میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں (یعنی پندرہ دن بعد مجھے مل کر بتانا کہ اس عملی سبق کو کہاں تک یاد کیا ہے) چنانچہ وہ انصاری چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کر

---

[1] [اصحاب صفہ]

[2] [حلیۃ الاولیاء بحوالہ اصحاب صفہ]

بیچنے لگا۔ پندرہ دن بعد وہ آیا اور دس درہم کما کر لایا جس میں سے اس نے کچھ پیسوں کا کپڑا اور کچھ رقم کا کھانا خریدا۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیرے لیے بہتر ہے اس سے کہ تیرا سوال کرنا قیامت کے دن تیرے چہرے پر داغ بن کر نمودار ہو اور فرمایا کہ سوال کرنا مناسب نہیں ہے مگر تین آدمیوں کے لیے ایک تو اس محتاج کے لیے جس کو مفلسی نے زمین پر گرا دیا ہو، دوسرے اس قرض دار کے لیے جو بھاری اور ذلیل کر دینے والے قرض کے بوجھ سے دبا ہو، تیسرے صاحب خون کے لیے جو درد پہنچائے (یعنی اس شخص کے لیے جس نے کسی کا ناحق خون کر دیا ہو یا کسی اور قاتل کی طرف سے دیت اپنے ذمے لے لی ہو اور اس کی ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ خون بہا کے بقدر لوگوں سے مانگ سکتا ہے)۔[1]

ذریعہ معاش

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اسباب کا پابند کیا ہے اور ہمیشہ سے حوائج و ضروریات اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور بقائے انسانی کے لیے ان کا پورا کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ اصحاب صفہ کے کسب معاش کی مختلف صورتیں تھیں۔ اصحاب صفہ میں سے بعض وہ طالب علم تھے جو دن کو کسب معاش کرتے اور رات کو علم دین سیکھتے، کچھ نے آپس میں باریاں لگا رکھی تھیں کہ ایک دن ایک کام کاج کرتا اور دوسرا خدمت اقدس میں حاضر باش رہتا اور دوسرے دن اس کے برعکس ہوتا اور بعض حضرات وہ تھے جو ہر طرح کے کسب معاش سے بے پروا ہو کر توکل کی تلوار ہاتھ میں تھامے دامن نبوی سے چپکے رہتے تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

کچھ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ ایسے لوگوں کو بھیج دیں جو ہماری قوم کو قرآن اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی تعلیم دیں ان کے عرض کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے ستر قاریوں کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ ان میں میرے (یعنی انس رضی اللہ عنہ کے) ماموں ''حرام'' بھی تھے۔ ان حضرات کا مشغلہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے یہ تھا کہ رات کو قرآن شریف

---

[1] [ابوداؤد]

پڑھا کرتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے اور دن کو پانی لا کر مسجد میں رکھتے تھے اور لکڑیاں کاٹتے تھے اور ان کو فروخت کر کے اپنا اور اصحاب صفہ کا کھانا فراہم کرتے تھے۔ ان میں سے ستر افراد کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ بھیج دیا تھا لیکن ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور ان حضرات کو منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے شہید کر دیا۔ ان شہیدوں نے دنیا سے چلتے وقت دعا کی: اے اللہ! تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم تجھ سے آملے ہیں اور یہ کہ تو ہم سے راضی ہو گیا اور ہم تجھ سے، چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ [1]

بعض صحابہ نے آپس میں باریاں لگا رکھی تھیں ایک دن ایک کسب معاش کرتا اور دوسرا خدمت اقدس میں حاضر باش رہتا اور دوسرے دن اس کے برعکس ہوتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا ایک پڑوسی عتبان بن مالک انصاری باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن میں جاتا تھا اور ایک دن وہ جاتا۔ جس دن میری باری ہوتی تو میں شام کو اسے دن بھر میں نازل ہونے والی وحی اور احکامات کے بارے میں بتلاتا اور جب اس کی باری آتی تو وہ بھی اسی طرح کرتا تھا۔ ایک دن وہ انصاری اپنی باری پر حاضر خدمت ہوا اور اس نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے کنارہ کشی کر لی ہے تو وہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق بھی دے دی ہے وہ میرے گھر آیا اور زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا، میں نے حیرت سے کہا کیا یہ (انصاری) ہے دروازے پر؟ میں خوفزدہ ہو کر باہر نکلا تو اس نے کہا ایک بڑا معاملہ پیش آیا ہے۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے) حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں (اپنی بیٹی) حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کیا تم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق دے دی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں پھر میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھڑے کھڑے پوچھا کیا آپ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا تو میں

---

[1] [اصحاب صفہ ص ۲۱]

نے تعجب سے اللہ اکبر کہا۔[1]

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ صفہ میں تعلیم حاصل کرنے والے بہت سے طالب علم وہ تھے جو کسب معاش کی طرف سے فارغ ہو کر یہاں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے طعام کا بندوبست رسول اللہ ﷺ خود فرماتے تھے یا دوسرے مسلمان حسب استطاعت کر دیا کرتے تھے۔

سرور دو عالم ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو آپ سب اصحاب صفہ میں تقسیم فرما دیتے اور خود اس میں سے کچھ تناول نہ فرماتے۔ اس لیے کہ آپ کے لیے صدقہ کھانا درست نہ تھا اور اگر کہیں سے ہدیہ آتا تو ان کے پاس بھی بھیجتے اور خود بھی کھاتے تھے۔

اور عامۃ المسلمین یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والے مسلمان بھی ان طالبعلموں کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ حلیۃ الاولیاء کے حوالے سے علامہ عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

صفہ کمزور مسلمانوں کے لیے بنایا گیا تھا لہٰذا اہل وعیال اور مال والے حضرات جس قدر بھی ہوسکتا تھا صفہ میں کھانے پینے کی چیزیں بھیجا کرتے تھے۔ [اصحاب صفہ ۱۰]

اگر یہاں کچھ نہ آتا تو نبی کریم ﷺ شام کو اصحاب صفہ کو لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے تھے جو ان کو گھر لے جا کر ضیافت کرتے چنانچہ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

> ”جب شام ہو جاتی تھی تو حضور اقدس ﷺ اصحاب صفہ کو لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔“

لہٰذا کوئی اپنے ساتھ ایک کو لے جاتا اور کوئی دو افراد کو لے جا کر کھلاتا اور کوئی تین آدمیوں کی مہمانی کرتا اور وہ صحابہ جو اس سے زیادہ کی گنجائش رکھتے تھے وہ دس دس افراد کو

---

[1] [بخاری ص ۱۹ جلد اول]

[2] [حلیۃ الاولیاء]

بھی ساتھ لے جاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی میزبانی اور کھانے میں برکت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ بے سروسامان حضرات تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس دو کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں کو لے جائے۔ایک دن ایسا ہوا کہ میرے والد (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) تین آدمیوں کو لے گئے اور ہمارے والد صاحب مہمانوں کو گھر پہنچا کر پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شرف یاب ہوئے اور وہیں کھانا کھالیا اور کھانے کے بعد پھر وہیں ٹھہرے رہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ لی، نماز پڑھ کر پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا کھالیا اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ کھانا کھایا اور اس کے بعد دیر تک بیٹھے رہے پھر اچھی خاصی رات گزرنے کے بعد گھر آئے، گھر آنے پر آپ کی اہلیہ محترمہ نے عرض کی: اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر اتنی دیر آپ کس وجہ سے غیر حاضر رہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم نے ابھی تک ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ اہلیہ محترمہ نے عرض کی کہ انہوں نے آپ کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور فرمایا خدا کی قسم! میں آج کے اس کھانے میں سے کبھی نہ کھاؤں گا۔ حضرت ابوبکر کا یہ فرمانا تھا کہ آپ کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ میں بھی نہ کھاؤں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ ہم بھی (ابوبکر کے بغیر) نہ کھائیں گے۔

جب یہ منظر سامنے آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غصہ اتر گیا اور فرمایا کہ ہمارا غصہ شیطان کی طرف سے ہے۔لہٰذا کھانا منگوا کر کھانا شروع کر دیا اور آپ کے ساتھ مہمانوں نے بھی کھایا۔اس کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ جب کوئی لقمہ اٹھاتے تھے تو نیچے سے اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر تعجب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے فرمایا: قبیلہ بنی فراس والی! یہ کیا ماجرا ہے؟ بیوی نے بھی تعجب

سے عرض کی کہ کیا بتلاؤں میرا دل باغ باغ ہوا جا رہا ہے، یہ کھانا تو باوجود کھائے جانے کے پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ بہر حال سب نے کھایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی اس کھانے میں سے بھیجا بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ آپ نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا دلچسپ واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اصحاب صفہ میں سے تھا۔ ایک روز میں نے روزہ رکھا۔ جب شام ہوئی تو نماز پڑھ کر قضائے حاجت کے لیے چلا گیا کیونکہ اس روز میرے پیٹ میں تکلیف تھی۔ جب میں واپس آیا تو کھانا کھایا جا چکا تھا اور اصحاب صفہ فارغ ہو چکے تھے۔ اب میں نے دل میں سوچا کہ کس کے پاس پہنچوں؟ غور و فکر کرنے کے بعد دل میں آیا کہ حضرت عمر بن خطاب کے پاس جاؤں وہ اس وقت مسجد میں تھے اور نماز کے بعد نوافل پڑھ رہے تھے۔ جب وہ نفلوں سے فارغ ہو گئے تو میں ان کے قریب گیا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی آیت سکھا دیجئے (آیت کا تو صرف ایک بہانہ تھا ورنہ حقیقتاً) میرا مطلب یہ تھا کہ باتوں باتوں میں کھانے کو پوچھ لیں اور ساتھ لے جا کر کھلا دیں۔ انہوں نے مجھے سورۃ آل عمران کی کچھ آیتیں سکھائیں اور مسجد سے اٹھ کر گھر چلے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ چل دیا حتیٰ کہ جب دروازے پر پہنچے تو مجھے چھوڑ کر اندر چلے گئے اور دیر ہو جانے پر بھی اندر سے میری کوئی خبر نہ لی میں نے خیال کیا کہ باہر نکلنے کے کپڑے اتارنے میں دیر ہو گئی ہو گی میرے لیے کھانا بھیجنے والے ہیں۔ لیکن بہت دیر ہو گئی اور میرے لیے کچھ اندر سے نہ آیا تو میں چل دیا، میں چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آپ نے فرمایا ابو ہریرہ! آج تمہارے منہ کی بو (جو روزے کی وجہ سے ہو جاتی ہے) بڑی تیز ہے؟ میں نے عرض کی جی یا رسول اللہ! میں نے آج روزہ رکھا تھا اور اب تک افطار کی نوبت نہیں آئی اور نہ کچھ افطار کے لیے میرے پاس ہے۔ فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل دیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت کدہ پر پہنچ گئے اور باندی سے فرمایا لاؤ وہ پیالہ لے آؤ، چنانچہ وہ پیالہ لے آئی جس کے

[1] [بخاری ص ۸۴ جلد اول بحوالہ اصحاب صفہ ۱۳]

کناروں میں ذرا سا کھانا لگا ہوا تھا۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا اور پیالہ میں ہر طرف سے ٹٹول ٹٹول کر نکالتا رہا حتیٰ کہ میرا پیٹ بھر گیا۔

حافظ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ وہ صفہ میں قیام کرنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تک بقید حیات رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صفہ میں ہی رہے اور وہاں سے منتقل نہیں ہوئے۔ صفہ میں اقامت کرنیوالوں کو اور وہاں آ کر قیام کرنے والوں کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اصحاب صفہ کو کھانے کے لیے بلانے کا ارادہ فرماتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتے اور ان سے ارشاد فرماتے کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ اور جمع کرو کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سب کو خوب جانتے تھے اور ان کے درجات و مراتب سے بھی خوب واقف تھے۔[1]

برکت کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے جو بخاری شریف میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سخت بھوک کی وجہ سے میں اس راستہ میں بیٹھ گیا جہاں سے صحابہ گزرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور میرا مطلب آیت پوچھنا نہ تھا بلکہ یہ تھا کہ اپنے ساتھ لے چلیں اور کچھ کھلا دیں لیکن وہ آیت بتا کر گزر گئے اور مجھے ساتھ نہ لیا ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ان سے بھی ایک آیت پوچھی اور مطلب یہ تھا کہ ساتھ لے چلیں اور کچھ کھلا دیں لیکن وہ بھی گزرے چلے گئے اور مجھے ساتھ نہ لیا، پھر ابوالقاسم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میرا چہرہ دیکھ کر آپ نے میرا مقصد پہچان لیا اور فرمایا کہ ابو ہریرہ! میں نے عرض کی لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا آؤ چلے آؤ، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل دیا حتیٰ کہ آپ اپنے دولت کدہ پر پہنچ گئے۔ دروازے پر پہنچ کر آپ نے اپنے گھر والوں سے اندر آنے کی اجازت چاہی چنانچہ آپ کو

---

[1] [حلیۃ الاولیاء]

اندر بلالیا گیا (اور چونکہ میرے لئے بھی اجازت لی تھی) اس لیے میں بھی آپ کے ساتھ اندر چلا گیا۔ گھر میں ایک پیالہ میں دودھ رکھا ہوا تھا آپ نے گھر والوں سے پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے؟ عرض کی فلاں شخص نے خدمت عالی میں ہدیہ بھیجا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ابو ہریرہ! میں نے عرض کی لبیک یارسول اللہ ﷺ فرمایا: جاؤ اصحاب صفہ کو بلالاؤ۔

اصحاب صفہ صرف اسلام کے مہمان تھے نہ ان کے پاس گھر بار تھا نہ مال وعیال نہ کسی خاص آدمی کے یہاں ان کا قیام تھا۔ اس بے سروسامانی میں آپ ﷺ کے پاس صدقہ کی کوئی چیز آتی تو ساری اصحاب صفہ کے لیے بھیج دیتے تھے اور اس میں سے ذرا سی بھی استعمال نہ فرماتے تھے اور جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تو ان سب کو بلا کر کھلا دیتے تھے اور خود بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ تو میرے نفس پر یہ بات بڑی گراں گزری اور دل ہی دل میں کہا کہ اصحاب صفہ کے مقابلے میں اس دودھ کی کیا حیثیت ہے (جو آپ ﷺ سب کو بلوا رہے ہیں۔ چونکہ میں زیادہ بھوکا تھا اور آپ ﷺ مجھے ساتھ بھی لائے تھے لہٰذا) میں زیادہ حقدار ہوں کہ اس میں سے کچھ ذرا سا مل جائے جس سے قوت حاصل ہو اور مزید یہ بات بھی کھٹکی کہ جب اصحاب صفہ آ جائیں گے تو آپ مجھ کو حکم فرمائیں گے کہ ان کو پلا (پلانے والے کا نمبر آخر میں ہوتا ہے اس لیے) قوی اندیشہ ہے کہ میرے لیے ذرا سا بھی نہ بچے گا۔

لیکن چونکہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اس لیے میں گیا اور اصحاب صفہ کو بلا لایا۔ وہ سب آ گئے اور دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور یہ طالب علم اندر آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ! میں نے عرض کی لبیک یارسول اللہ ﷺ! تو فرمایا یہ پیالہ لے کر سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لیا اور سب کو پلانا شروع کیا، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ ذرا سا دودھ بڑھنا شروع ہوا اور میں یکے بعد دیگرے ہر ایک کو دیتا گیا اور سب نے پیٹ

بھر کر پی لیا حتیٰ کہ وہ پیالہ لے کر میں حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا کیونکہ آپ ﷺ سب سے آخر میں تشریف فرما تھے آپ نے مجھ سے پیالہ لیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا ابو ہریرہ! میں نے کہا لبیک یارسول اللہ! فرمایا اب میں او تم ہی رہ گئے؟ میں نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ نے درست فرمایا اس کے بعد مجھ سے فرمایا بیٹھو اور پیو میں نے بیٹھ کر پیا اور بس کر دیا۔ آپ نے فرمایا اور پیو میں نے اور پیا، فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا، آپ اسی طرح فرماتے رہے کہ اور پیو اور پیو حتیٰ کہ میں نے کہہ دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اب تو اس کے جانے کی ذرا بھی جگہ نہ رہی۔ فرمایا لاؤ مجھے دو، میں نے پیالہ آپ ﷺ کو پیش کر دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر ہم سب کا بچا ہوا نوش فرمایا۔[1]

اللہ جل شانہ کی طرف سے اصحاب صفہ کی تربیت

اصحاب صفہ کی زندگی بحیثیت طالب علم ہونے کے بہت مجاہدانہ تھی، بے حد محتاجگی اور فاقہ کشی تھی اور یہ حضرات اسی میں مست تھے لیکن پھر بھی طبعی طور پر بشری تقاضوں کی وجہ سے کبھی ان کو اس بات کی تمنا بھی ہوتی تھی کہ ہمارے پاس دنیا کا سامان بھی ہوتا تو اچھا تھا۔ اس کی اصلاح میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿وَلَوْبَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوری آیت ۲۷)

''اور اگر اللہ جل شانہ، خوب دے دے رزق بندوں کو تو ضرور بغاوت کریں زمین میں''

یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے دنیا کی تمنا کی تھی۔

حافظ ابو نعیم ''حلیۃ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں۔

اللہ جل شانہ، نے دنیا ان کے پاس آنے سے روک دی۔ اور ان تک (طلب علم کے زمانے میں) نہ پہنچنے دی تا کہ ان کی محتاجگی والی

[1] [اصحاب صفہ ۱۹]

زندگی کو باقی رکھیں اور ان کو فتنہ کی چیزوں سے بچادیں تا کہ وہ سرکشی
میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں
حساب کے بوجھ سے محفوظ ہو گئے تا کہ مال و دولت ان کو خدا تعالیٰ کی
یاد بھلا نہ دے اور دنیا کی فراوانی سے ان کی موجودہ حالت نہ بدل
جائے۔[1]

مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

درحقیقت اللہ جل شانہ کا بڑا کرم ہے کہ کسی کو دنیا کے مال و متاع سے بچالے اور اسے فتنوں کی چیزوں میں نہ ڈالے جو اس کی آخرت کو برباد کر دیں۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ جب اللہ جل شانہ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں جیسے تم اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کرواتے ہو۔

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انسان دو چیزوں کو اچھا نہیں سمجھتا حالانکہ وہ دونوں اس کیلئے بہتر ہیں: وہ موت سے کراہت کرتا ہے حالانکہ موت مومن کے لیے بہتر ہے جس کی وجہ سے فتنہ سے بچ جائے گا اور وہ مال کی کمی کو اچھا نہیں سمجھتا حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی کا سبب ہے۔[2]

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب صفہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے دریافت فرمایا کیا حال ہے؟ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خیریت سے رکھا ہے۔ اس کے بعد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم آج اچھی حالت میں ہو (کیونکہ دین سیکھتے سکھاتے ہو اور اس پر عمل کرتے ہو اور فتنوں میں ڈالنے والی چیزیں تمہارے پاس نہیں ہیں اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ صبح کو ایک پیالے میں کھاؤ گے اور شام کو دوسرا پیالہ تمہارے سامنے رکھا جائے گا جس میں صبح کے سالن کے علاوہ دوسرا

---

[1] [حلیۃ الاولیاء، بحوالہ اصحاب صفہ ص ۲۴]

[2] [مشکوۃ المصابیح، بحوالہ اصحاب صفہ ص ۲۵]

سالن ہوگا اور طرح طرح کی روٹی پکائی جائے گی اور تم اپنے مکانوں کو اس طرح کپڑوں سے ڈھانکو گے جیسے کعبے کو ڈھانکا جاتا ہے۔

یہ سن کر اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو فرمایئے کہ وہ مال پاس ہونے کا دور اس صورت میں آئے گا جب کہ ہم دین دار ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں! اس پر انہوں نے عرض کی کہ اس روز تو ہم اچھے حال میں ہوں گے (کیونکہ دین پر بھی چل رہے ہوں گے اور دنیا جو پاس ہوگی اسے بھی دین پر خرچ کریں گے اس لیے اُس وقت ہم صدقے کریں گے اور غلام آزاد کریں گے چنانچہ جس ثواب سے آج مال نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہیں وہ ثواب بھی ہمیں ملے گا پھر آپ یہ کیسے فرمارہے ہیں کہ ہم آج اچھی حالت میں ہیں؟) یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں تم آج ہی بہتر ہو جب دنیا تم کو ملے گی تو تم آپس میں حسد کرنے لگو گے اور آپس کے تعلقات کو توڑو گے اور آپس میں بغض رکھنے لگو گے۔[1]

حقیقت ہے کہ دنیا جب آتی ہے تو تنہا نہیں آتی بلکہ اپنے ساتھ حسد، بغض و عداوت، مقدمہ بازی، حرص، غفلت، آخرت سے دوری اور خواہشات نفس کی پیروی اور دیگر اسی طرح کی مصیبتیں ساتھ لے کر آتی ہے۔ بہت خوش بخت ہیں وہ بندے جو دنیا کے ساز و سامان کی فراوانی سے محروم ہیں۔ نہ دنیا میں کسی سے الجھیں نہ آخرت میں حساب کے میدان میں کھڑے پریشان ہوں۔

اصحاب صفہ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ

اسلام کی اس پہلی درسگاہ کے طالب علموں سے حق تعالیٰ شانہ نے دنیاوی مال و اسباب لے کر اس کے بدلے ان کو کیا مقام اور مرتبہ دیا تھا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بے پیسے والے مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھ گیا اور یقین جانئے ان کے پاس اس وقت کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ اپنے ننگے پن کی وجہ سے ایک دوسرے کو آڑ بناتے تھے اور وہیں ایک قرآن

---

[1] [اصحاب صفہ ص ۲۷]

مجید پڑھنے والا سب کو قرآن مجید سنا رہا تھا۔ اچانک حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو قرآن سنانے والے صاحب خاموش ہو گئے۔ جب وہ خاموش ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے سلام کیا اور اس کے بعد پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ کی کتاب سن رہے تھے۔ یہ جواب سن کر فرمایا۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَهُمْ﴾

"یعنی سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ بنائے جن کے ساتھ مجھے اپنے آپ کو ٹھہرانے کا حکم ہوا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ ہمارے بیچ میں بیٹھ گئے (تا کہ الگ مسند کا امتیاز ختم فرما کر برابری والی شان ظاہر فرمائیں) اس کے بعد آپ نے حلقہ بنانے کے لیے دست مبارک سے اشارہ فرمایا لہٰذا سب نے حلقہ بنالیا اور سب کے چہرے آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ

بے پیسے والے مہاجروں کی جماعت! تم خوشخبری قبول کرلو کہ قیامت کے روز تم کو نور تام (پورا نور) عنایت کیا جائے گا قیامت کے روز تم مالداروں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن آج کل کے دنوں کے حساب سے پانچ سو (۵۰۰) برس کے برابر ہوگا۔ یہ (فقراء) جنت میں مزے کر رہے ہوں گے اور وہ (مالدار) حساب دے رہے ہوں گے۔[۱]

ایک روایت میں ہے جب آپ ﷺ نے ان کو مالداروں سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی تو ان کے چہرے کھل گئے۔ اس روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی خوشی دیکھ کر مجھے تمنا ہوئی کہ کاش میں بھی ان میں سے ہوتا۔[۲]

---

۱ [مشکوۃ]

۲ [ابوداؤد بحوالہ اصحاب صفہ ص ۲۹]

اصحاب صفہ کو دور کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عتاب

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سورۃ انعام کی آیت

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [آیت ۵۲]

''اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور چاہتے ہیں اس کی رضا، تجھ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر کچھ کہ تو ان کو دور کرنے لگے پس ہو جائے گا تو بے انصافوں میں سے۔''

کا شان نزول بیان فرماتے ہیں کہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے (یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے مالدار تھے) جب یہ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت صہیب اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جب ان دونوں (یعنی اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن) نے ان خستہ حال طالب علموں کو دیکھا تو ان کو حقیر سمجھا اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو اپنی کسر شان سمجھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تنہائی میں عرض کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو اپنے ساتھ بٹھانے کا اس طرح موقع دیں کہ عرب میں ہماری فضیلت برقرار رہے آپ کے پاس عرب کے وفود آتے ہیں لہٰذا ہم کو شرم آتی ہے کہ آنے والے لوگ ہم کو ان غلاموں اور خستہ حال لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں، چنانچہ جب ہم حاضر خدمت ہوا کریں تو آپ ان کو ہمارے ساتھ نہ بیٹھنے دیا کریں اور جب ہم آپ سے گفتگو کر کے فارغ ہو جایا کریں تو چاہیں تو آپ ان کو اپنی مجلس میں بٹھالیا کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی گفتگو سنی تو ان کو اسلام سے مانوس کرنے کے لیے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ ان دونوں نے عرض کی کہ آپ اس کا عہد نامہ بھی لکھ دیجئے۔

لہٰذا آپ نے ایک کاغذ منگوایا اور لکھنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے اور یہ آیت آپ کو سنائی۔

﴿وَلَاتَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ مَا عَلَیْکَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِنْ شَیْءٍ وَمَا من حِسَابِکَ عَلَیْھِمْ مِنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَھُمْ فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (انعام آیت ۵۲)

''اور مت دور کیجئے ان کو جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضامندی کا ارادہ کرتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ سے متعلق نہیں اور نہ آپ کا حساب ذرا بھی ان سے متعلق ہے کہ آپ ان کو نکال دیں اور بے انصافوں میں سے ہو جائیں۔''

اس آیت میں حضرات فقرائے مہاجرین کی تعریف کرتے ہوئے کہ یہ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، مجلس سے اٹھانے کی ممانعت فرمائی اور پھر اگلی آیت میں ایسی بے جا درخواست کرنے والوں کے متعلق فرمایا۔

﴿وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْھِمْ مِّنْ بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ﴾

''اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعض لوگوں کو بعضوں سے تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہم سب میں سے کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو۔''

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ایماندار بندوں کی قدر بڑھانے کے لیے اگلی آیت میں ارشاد فرمایا۔

﴿وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام آیت ۵۴)

''اور جب آئیں آپ کے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو

کہہ دے سلام ہے تم پر لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو۔''

اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کا حضور اقدس ﷺ پر یہ اثر ہوا کہ آپ نے وہ کاغذ جو معاہدہ لکھنے کے لیے منگوایا تھا، پھینک دیا اور ہم مسکینوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے ''سلام علیکم'' فرمایا جیسا کہ آیت میں ارشاد ہوا تھا اور ہم آپ کے اس قدر قریب بیٹھ گئے کہ اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے۔

ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے کسی کے آنے پر اپنی مجلس سے فقراء طالب علموں کو نہ اٹھانے کا فیصلہ فرمالیا۔ ہاں البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ جب تک آپ کو بیٹھنا ہوتا آپ بیٹھے رہتے اور جب تشریف لے جانا ہوتا تو ہم کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ اس پر بھی اللہ جل شانہ نے یہ آیات اتاریں۔

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الکهف آیت ۲۸)

''اور روک کے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، طالب ہیں اس کی رضا کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر زندگانی کی رونق کی تلاش میں، اور نہ کہنا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور وہ پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خواہش کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اقدس ﷺ کا ہمارے (یعنی فقراء مہاجرین طلباء) کے ساتھ طرز عمل یہ ہو گیا تھا کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور جب وقت ہو جاتا جس پر آپ ﷺ کو اٹھنا ہوتا تو ہم خود ہی اٹھ جاتے تھے اور آپ کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر ہم نہ اٹھتے تو

آپ ﷺ بیٹھے ہی رہتے تھے اور ہم کو چھوڑ کر اٹھ جانا گوارا نہ فرماتے تھے۔ خواہ کتنی ہی دیر ہو جائے۔[1]

ایک اور روایت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ کہف کی مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تو حضور اقدس ﷺ فقرائے مہاجرین کو تلاش کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کو یہ حضرات مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے آخری حصہ میں مل گئے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے، ان طالب علموں پر نظر پڑی تو سید دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَمْ یُمِتْنِیْ حَتّٰی اَمَرَنِی اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَ قَوْمٍ مِنْ اُمَّتِیْ﴾

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس سے پہلے موت نہیں دی جب تک کہ مجھے یہ حکم نہیں دے دیا کہ میں اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھوں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا معکم المحیا والممات یعنی میرا مرنا جینا تمہارے ہی ساتھ ہے۔[2]

اصحاب صفہ کا امت کے لیے باعث رحمت ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے (صفہ کے ان طالب علم) صحابہ سے سوال کرتے ہوئے فرمایا بتلاؤ جنت میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟ صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، یہ جواب سن کر حضور ﷺ نے خود ہی اس سوال کا جواب دیا فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے وہ فقرائے مہاجرین داخل ہوں گے جن کی وجہ سے تکلیف دینے والی چیزوں

---

[1] [حلیۃ الاولیاء بحوالہ اصحاب صفہ ص ۳۲]

[2] [حلیۃ الاولیاء بحوالہ اصحاب صفہ ص ۳۳]

اور حالتوں سے بچا جاتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے امت کو تکلیف دینے والی چیزوں اور حالتوں سے بچاتے ہیں) وہ بے چارے سینوں میں اپنی حاجتیں دبائے دنیا سے چلے گئے جن کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تھی۔

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے لگیں گے تو فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب! ہم تیرے فرشتے ہیں اور تیرے مقرر کردہ انتظاموں کے مہتمم ہیں اور تیرے آسمانوں کے رہنے والے ہیں ان کو ہم سے پہلے جنت میں داخل نہ فرمانا، اس کے جواب میں حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے یہ میرے خاص بندے ہیں، جنہوں نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنایا اور ان کی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ دنیا میں یہ مصیبت کی چیزوں سے مخلوق کو بچانے کا سبب و ذریعہ تھے اور ان کے صبر و استقلال کا یہ عالم تھا کہ ان کو اس حال میں موت آئی تھی کہ اپنی حاجتوں کو سینوں میں دبائے ہوئے تھے جن کو پوری کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

ان کی یہ فضیلت سن کر ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے پہنچیں گے۔

﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾

''تم پر سلام ہو بوجہ اس صبر کے جو تم نے کیا چنانچہ اس جہاں (آخرت) میں تمہارا یہ انجام ہوا۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے ہاں اصحاب صفہ کے مرتبے کا سبب

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صفہ کے ان طالب علموں کا جو مرتبہ تھا اس کی تفصیل گزشتہ اوراق سے معلوم ہو چکی ہے۔ اس مرتبہ کی وجہ وہ منفرد اور جامع تعلیمات تھیں جن کو ایک معلم کامل سے حاصل کرنے کے لیے یہ حضرات صفہ کے اس چبوترے پر آ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس مرتبے کی وجہ سے ان حضرات کی خاص قدر فرماتے اور ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے اور ان کو دین بتلاتے اور سکھاتے اور آخرت کی چیزوں کی قدر بتلاتے اور دنیاوی

[1] [حلیۃ بحوالہ اصحاب صفہ ص ۳۵]

چمک دمک اور ساز وسامان سے ان کی توجہ ہٹاتے اور اللہ جل شانہ کے سامنے کھڑا ہونا ذہن نشین کرواتے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے (اصحاب صفہ) کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ہم صفہ میں موجود تھے اور تشریف لاکر فرمایا تم میں سے کون شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ روزانہ صبح کے وقت ''بطحان'' اور ''عقیق'' نامی بازار میں جائے اور بلاکسی قسم کے گناہ اور قطع رحمی کے دو ایسی اونٹنیاں پکڑ کر لائے جو خوب موٹی تازی ہوں؟

ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو ہم سب کو مرغوب ہے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (دنیا کی حقیر اور فنا ہونے والی اونٹنیوں سے رغبت رکھنے کے بجائے) تم میں سے کوئی شخص ایسا کیوں نہ کرے کہ صبح کے وقت (مسجد میں) پہنچ کر اللہ کی کتاب میں سے دو آیتیں (کسی کو) سکھلا دے یا خود ہی تلاوت کرے یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر عمل ہوگا اور تین آیات کا پڑھنا یا پڑھانا تین اونٹنیوں سے اور چار آیات (کا پڑھانا یا پڑھنا) چار اونٹنیوں سے افضل ہے (پھر قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا) اس سے آگے جہاں تک بھی حساب لگاتے جاؤ اور آیتوں اور اونٹنیوں کا مقابلہ کرتے چلے جاؤ تو آیتیں ہی اونٹوں اور اونٹنیوں سے افضل ہوں گی یعنی کوئی شخص جس قدر آیات پڑھے گا یا پڑھائے گا یہ پڑھنا اور پڑھانا ان آیات کی تعداد کے بقدر اونٹنیوں کے حاصل کرنے سے بہتر اور افضل عمل ہوگا۔

بطحان اور عقیق مدینہ منورہ کے قریب دو جگہیں ہیں جہاں اونٹنیوں کا بازار لگتا تھا۔ اس زمانہ میں اونٹ عرب کے ہاں نہایت ہی پسندیدہ چیز تھی۔ خاص کر اس اونٹنی کو بہت ہی قابل قدر سمجھتے تھے جو موٹی تازی اور فربہ ہو۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مزاج کو دیکھ کر رغبت کی چیز سے افضل اور عمدہ عمل کی جانب متوجہ فرمایا اور یہ جو فرمایا کہ ''بغیر گناہ اور قطع رحمی کے یہ اونٹنیاں حاصل ہو جائیں''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اونٹنیاں گناہ کے ذریعے حاصل کی جائیں مثلاً چرا کر یا چھین کر یا میراث وغیرہ میں کسی رشتہ دار کے مال پر

قبضہ کرلیا ان کا ذکر نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو اونٹنیاں دنیا اور آخرت کے وبال و نقصان کے بغیر حاصل ہو جائیں ان میں سے ہر ایک اونٹنی ہر ایک آیت کے مقابلے میں بہت ہی حقیر ہے اور جو اونٹنیاں گناہ اور قطع رحمی کے ذریعہ حاصل کی جائیں (جن پر مواخذہ ہو) ان کا تو آیت کے مقابلے میں ذکر ہی کیا ہے۔

اس حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے بطور مثال فانی اور باقی کا مقابلہ کر کے بتلایا ہے ورنہ ایک آیت کے مقابلے میں پوری دنیا کی سلطنت کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ آج نہیں تو کل، موت دنیا کا سارا ساز و سامان جدا کر دے گی لیکن آیتوں کے پڑھنے پڑھانے میں جو ملے گا وہ ہمیشہ کے لیے ساتھ رہنے والی چیز ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں۔

﴿والحاصل انه صلى الله عليه وسلم اراد ترغيبهم في الباقيات وتنفيرهم عن الفانيات فذكر هذا على سبيل التمثيل والتقريب الى الفهم والا فجميع الدنيا احقر من ان يقابل بمعرفة آية من كتاب الله تعالىٰ او بثوابها من الدرجات العُلىٰ﴾

''حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان حضرات کو باقیات کی رغبت دلائی اور فانیات سے ان کا دل پھیرا لہٰذا سمجھانے کی غرض سے اونٹنی کو بطور مثال ذکر فرمایا ورنہ ساری دنیا ہی ایک آیت کے جان لینے اور اس کے ثواب سے جو درجات کی صورت میں ملے گا بہت ہی حقیر ترین ہے۔''

اس حدیث کو لکھنے کے بعد حافظ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرات اصحاب صفہ کی توجہ بتقاضائے بشریت اسباب دنیاوی پر جانے کا موقع ہوتا تو حضور ﷺ ان چیزوں کی طرف رغبت دلاتے تھے جو ان کے لیے زیادہ مناسب اور نفع مند تھیں اور جن سے ان کے باطن کی اصلاح ہوتی تھی۔ یعنی ان کو ذکر اللہ

اوران کاموں میں لگنے کی ترغیب دیتے تھے جن سے انوار قلبی حاصل ہوں جن کی وجہ سے آخرت کے خطروں اور ہلاکتوں سے محفوظ رہ سکیں۔[1]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صفہ ضعفائے مسلمین کے لیے بنایا گیا تھا لہٰذا مدینہ کے رہنے والے مسلمان جہاں تک ہوسکتا تھا ''صفہ'' والوں کے لیے کھانے کی چیزیں بھیجا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اصحاب صفہ سے ملاقات کا انداز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو یوں فرماتے **السلام علیکم یَا اَھْلَ الصُّفَّۃِ**۔ اے اہل صفہ تم پر سلامتی ہو، پھر ان سے دریافت فرماتے **کَیْفَ اَصْبَحْتُمْ**۔ کس حال میں صبح ہوئی؟ وہ عرض کرتے **بِخَیْرٍ یارسول اللّٰہ** صلی اللہ علیہ وسلم اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے خیریت کے ساتھ صبح کی۔[2]

صفہ کے معلم کی حالت

ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی طرف چلے تو دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اصحاب صفہ کو قرآن شریف پڑھا رہے ہیں اور بھوک کی وجہ سے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا ہے اور اس سے اپنی کمر سیدھی رکھی ہوئی ہے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک جماعت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ یہ جماعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر یہ جماعت اپنے مشغلے سے رک گئی، (جیسا کہ عموماً طالب علم احتراماً ایسا کیا کرتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم کیا کررہے تھے؟ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہے تھے، فرمایا جو تم کہہ رہے تھے پھر کہو کیونکہ مجھے تم پر رحمت نازل ہوتی ہوئی نظر آئی، لہٰذا میرا جی چاہا کہ اس رحمت میں تمہارے ساتھ شریک

---

[1] [اصحاب صفہ ص ۴۰]

[2] [ایضاً]

ہو جاؤں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ کر دیئے جن کے ساتھ اپنے نفس کو ٹھہرانے کا مجھے حکم دیا گیا۔[1]

اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گزشتہ سرگزشت ان کی زندگی کے وہ لمحات تھے جو صفہ نامی چبوترے سے وابستہ تھے اور آئندہ آنے والے دوسرے باب میں ان مقدس نفوس کے تفصیلی حالات درج کیے جائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ صفہ کے اس چبوترے پر بھوکے پیٹ پڑے رہنے والوں نے یہاں سے نکل کر کس طرح دنیا پر حق کا جادو پھونکا اور کیسے یہ حضرات شرق وغرب کے امام بنے۔

اب اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات لکھنے کا مقصد حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ کے پرسوز الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے جو اس کتاب کے لکھنے کا حقیقی مقصد اور اصل روح ہے۔ مولانا عاشق الٰہی بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ''اصحاب صفہ'' ص ۴۵ پر ''فکر و اعتبار'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

فکر و اعتبار

آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے نام لیوا زمین کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔ اسلام کے علوم و معارف کے جاننے والے اور قرآن و حدیث کے ماہر جگہ جگہ مل جاتے ہیں۔ یہ علوم ہم تک کس طرح پہنچے؟ اس پر اگر ہم غور کریں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اول مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر علوم اسلامیہ کو حاصل کیا اور دنیاوی مشغلوں کو چھوڑ کر یا کم کر کے اسلام کو سیکھنے کے لیے اوقات فارغ کیے پھر ان علوم کو پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے میں بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور اسلام کی تبلیغ کے لیے ملک اور شہر بہ شہر پھیل گئے۔

حضرت اصحاب صفہ کو لے لیجئے کہ دین حاصل کرنے کے لیے برسوں درسگاہ نبوی میں بھوکے پیاسے پڑے رہے۔ فاقوں پہ فاقے ہیں پھر بھی مست اور مگن ہیں، کپڑے نہیں ہیں پھر بھی خوش ہیں، گھر بار نہیں ہے پھر بھی ہشاش بشاش ہیں اگر یہ حضرات

---

[1] ایضاً ص ۱۲۱

چاہتے تو صفہ کو چھوڑ کر اور اسلام کے مدرس اعلیٰ حضرت محمد ﷺ کی مصاحبت سے جدا ہو کر کاروبار میں لگ جاتے اور شہروں میں منتشر ہو کر کھاتے کماتے، مکان بناتے، مزے اڑاتے لیکن چونکہ انہوں نے کھانے پینے اور کسب کرنے کو زندگی کا مقصد نہیں سمجھا اور مکانات بنانے کو دنیا میں آنے کی غرض نہیں بنایا اس لیے ان چیزوں کے پاس نہ ہونے سے ذرا بھی نہ گھبراتے تھے چونکہ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا ان کی غذا تھی، اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کا مشغلہ تھا، حضور اقدس ﷺ کے ارشادات محفوظ کرنا ان کی اہم آرزو تھی، اس لیے ان چیزوں میں اگر اپنی کوتاہی دیکھتے تو پریشان ہوتے تھے کیونکہ مقصد زندگی فوت ہوتا نظر آتا تھا۔

ان حضرات نے آخرت سامنے رکھی، اپنے باطن کو محبت خداوندی سے معمور کیا، آخرت کے غنا کی آرزو میں فقر و فاقہ کو اختیار کیا۔ جنت کے محلات کو دنیا کے مکانوں پر ترجیح دی اور آخرت کے حساب سے بچنے کے لیے دنیاوی ساز و سامان سے منہ موڑا اور درسگاہ نبوی کے بھوکے پیاسے طالب علم بن کر امت کے استاد اور مقتدا بنے اور قیامت آنے تک امت کی طرف سے رضی اللہ عنہم کی دعا کے مستحق ہو گئے اور آخرت میں اپنا یہ مقام حاصل کیا کہ مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہونے کا شرف ملا اور ان کی عزت بڑھانے کے لیے سید المخلوقات ﷺ کو حکم ہوا کہ ان کے پاس بیٹھے رہا کرو، دنیا سے منہ موڑا اللہ سے رشتہ جوڑا یہ اللہ کے ہو گئے اللہ ان کا ہو گیا۔ علوم کے سمندر پی گئے معارف کے معدن بن گئے ننگے بھوکے تھے مگر اللہ کے پیارے تھے، روٹی سے پیٹ خالی تھا لیکن ایمان و یقین سے دل لبریز تھا۔ قربانی دی اس کا پھل ملا، فانی دنیا چھوڑ گئے باقی کے مستحق ہو گئے۔

آج اسلام زندگیوں سے نکلا ہوا ہے، علوم اسلامیہ کے محافظ بس کاغذی ہی رہ گئے ہیں، مسلمان اس عہدے کو چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اسلام اجنبی ہے اس کے احکامات سے زندگی کا ہر شعبہ خالی ہے، اللہ کے ذکر سے زبانیں معمور نہیں بلکہ غیبتوں اور لایعنی باتوں سے لبریز ہیں، علوم قرآن وحدیث کو قابل تحصیل نہیں سمجھا بلکہ فلسفہ وجغرافیہ، سائنس اور دیگر دنیاوی علوم کے لیے زندگیاں وقف ہیں۔ اچھے دین بھلے دار کہلانے والے

اور قرآن وحدیث کے مدرس اپنے بچوں کو اسکولوں اور کالجوں کی نذر کر کے کفر والحاد کے حوالے کرر ہے ہیں۔ اس پیٹ اور تن اور کمانے کھانے سے آگے نہ فکر ہے نہ ہمت، نہ حوصلہ نہ ارادہ۔ روٹی ہونی چاہیے ایمان کی ضرورت نہیں۔ کپڑا اُجلا ہو خواہ دل پر الحاد وکفر کے عقائد کی سیاہی چڑھی ہو۔ مکان اچھا ہو خواہ نماز غارت ہو رہی ہو۔ یہ آج کے مسلمان کی حالت ہے۔ دینی مدارس طلبہ سے خالی ہوتے جارہے ہیں اور جو طلباء ان مدارس میں نظر آتے ہیں انہیں بھی اچھا کپڑا اور اچھا کھانا مرغوب ہے، بھوک و پیاس سے محبت نہیں رہی۔ دینی علوم پڑھنے کے زمانے میں کسی کو طب کی طرف توجہ ہے، کوئی ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کی سند حاصل کرنے کے لیے سرگرداں ہے، کوئی میٹرک کے امتحان کے لیے محنت کررہا ہے اور کوئی بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کی امنگوں میں گم ہے حالانکہ یہ چیزیں انسان کو دین اور علم دین کا نہیں چھوڑتیں کیونکہ جو حکیم بنایا کسی کالج کا پروفیسر ہو گیا وہ دینی خدمت سے گیا اور جو صرف مولوی ہی رہ گیا اسے تنخواہ کم ملتی ہے اب چونکہ دنیا سے لگاؤ ہے اس لیے اہل دنیا کی طرف نظر ہے، بھوک و پیاس سے محبت نہیں حالانکہ قرآن مجید کا اعلان ہے۔

''کہہ دیجیے دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کرے۔'' [سورۃ النساء]

بھوک و پیاس کو غذا بنا کر دینی علوم پڑھیں اور پڑھائیں اور دنیا سے نظریں ہٹا کر درسگاہ نبوی کے طالب علموں کی طرح زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور اپنے باطن کو محبت الٰہیہ سے معمور کریں، دینی خدمت کو مقصود بنالیں تو قلوب منور ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی معزز ہوں گے اور دنیا والے بھی قدر کریں گے۔ جو صرف نماز کے امام ہیں امت کے ہر کام کے امام ہو جائیں گے لیکن عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ **المنایا علی متن البلایا** امیدیں، آزمائشوں کی پشت پر سواری کر کے پوری ہوتی ہیں۔ لذتوں کو قربان کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اسلام کی خدمت کے لیے نہ فقیر تیار ہے نہ مالدار۔ تنگ دست و مفلس بھی علوم دینیہ سے ناواقف ہے اور مالدار و سرمایہ دار بھی! نہ کسی کو آخرت سے

محبت ہے نہ دین کی فکر، نہ مالدار دین کے حاصل کرنے اور پھیلانے پر راضی ہیں نہ تنگ دست! دونوں فریق عملاً یہ سمجھتے ہیں کہ نہ ہمارے ذمہ خود دین پر چلنا ہے اور نہ دوسروں کو چلانا۔ مالدار کے پاس ٹی وی، ناچ گانوں اور گاجوں باجوں اور فحاشی وعیاشی اور دیگر گناہوں میں روپیہ برباد کرنے کے لیے بہت ہے لیکن دین کی خدمت کے لیے اقتصادی حالت خراب ہے، عیسائیوں کی طرح شکل وصورت بنانے اور ان جیسا لباس سلوانے کے لیے تو سب کچھ موجود ہے لیکن محلہ کی مسجد اور گاؤں کے مدرسہ کے لیے خرچ کرنے کو کچھ بھی پاس نہیں ہے۔ غریبوں کو دین سیکھنے کے لیے کہو اور اسلام پھیلانے کی ترغیب دو تو مالداروں کی طرح ٹال دیتے ہیں، دنیا کمانے میں سرگرداں ہیں لیکن پھر بھی نصیب میں نہیں اور دین کو اپنے خیال میں اس لیے نہیں سیکھتے کہ ننگے بھوکے ہیں حالانکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر آج کوئی بھی تنگدست نہیں ہے۔ اگر فقر و فاقہ اور تنگدستی، دین سیکھنے سکھانے سے روکنے والی چیز ہوتی تو حضرات صحابہ اپنی بھوک اور پیاس ہی کو لیے بیٹھے رہتے اور دین ان سے آگے نہ بڑھتا۔ مسلمانو! آنکھیں کھولو اور اللہ سے لو لگالو، اس کے دین کی خدمت کرو۔

﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ ﴾

''خبردار یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے نصیحت حاصل کرے۔''

باب دوم

﴿اصحاب صفہ کے تفصیلی حالات﴾

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

(حکیم الامۃ)

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی عویمر، اور کنیت ابوالدرداء تھی۔ آپ کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے تھا۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "حکیم هذه الامة" اس امت کے حکیم کا لقب عطا ہوا۔[1]

سلسلہ نسب یوں ہے عویمر بن زید بن قیس بن امیہ بن مالک بن عامر بن عدی بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

آپ کی والدہ ماجدہ جو کہ سلسلہ ثعلبہ بن کعب سے وابستہ تھیں، کا نام "محبۃ" تھا آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا لیکن طبیعت عبادت کی طرف زیادہ مائل تھی جب یہ کاروبار اس اصلی مقصد میں خلل انداز ہونے لگا تو اسے خیر آباد کہا اور خدائے رزاق کے آسرے پر عبادت میں مشغول ہو گئے۔

فرماتے تھے مجھے ایسی دکان بھی پسند نہیں جس میں چالیس دینار یومیہ نفع ہو جس کو روزانہ صدقہ کرتا رہوں اور نماز بھی قضا نہ ہوتی ہو۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا قیامت کے حساب کا خوف ہے۔

اسلام

آپ دیندارانہ مزاج ہونے کے باوجود بعثت کے فوراً بعد اسلام نہیں لائے بلکہ ۲ھ میں مشرف با اسلام ہوئے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ آپ سال بھر تک غور وفکر کرتے رہے ہوں اور غور وخوض کے بعد اسلام قبول کیا ہو اس طرح دوسرے اکابر انصاری صحابہ جن کا ایمان تقلیدی تھا، کے مقابلہ میں آپ کا ایمان اجتہادی ہوا۔ لیکن تاخیر اسلام کا رنج آپ

[1] [سیر اعلام النبلاء ج ۲]

کو تمام عمر رہا، فرمایا کرتے تھے: ایک گھڑی کی خواہشِ نفس دیرپا غم پیدا کر دیتی ہے۔

غزوات و عام حالات

جس وقت غزوہ بدر پیش آیا تو حضرت ابوالدرداء اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔ غزوہ اُحد حالت ایمان میں پیش آیا اور اس غزوہ میں آپ ﷺ نے انہیں گھوڑے پر سوار دیکھ کر فرمایا: نعم الفارس عویمر، عویمر کتنے اچھے سوار ہیں۔ احد کے علاوہ دیگر غزوات اور جنگوں میں جناب رسالت مآب ﷺ کے ہمرکاب رہے اور آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت ابوالدرداء کو ان کا اسلامی بھائی بنا دیا۔

ترک وطن

آنحضرت ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوالدرداء نے مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر دی کہ یہاں ہر وقت محبوبِ کل راحتِ قلب وسینہ سرکار مدینہ ﷺ کی یاد مشکبار تازہ رہتی اور ہر وقت ستاتی تھی۔ نیز علوم نبوت کو چہار دانگ عالم میں پھیلانا بھی ان وارثان نبوت اور مدرسہ نبوی کے طالب علموں پر فرض تھا جس کی ادائیگی کی فکر بھی دامن گیر تھی نیز آنحضرت ﷺ سے انہوں نے یہ بھی سنا تھا کہ فتنہ کی آندھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا اس بنا پر شام کے دارالحکومت دمشق میں سکونت اختیار کر لی۔ سفر کی تیاری کے بعد آپ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ترک وطن کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا اجازت تو نہیں دیتا ہاں اگر حکومت کی کوئی خدمت قبول کر لیں تو منظور کر سکتا ہوں۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا میں حاکم بننا ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا: پھر اجازت کی امید فضول ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے درخواست کی کہ حکومت کے بجائے لوگوں کو قرآن وحدیث سکھاؤں اور نماز پڑھاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ البتہ قبول ہے چنانچہ اس ادائے فرض کی نیت سے شام کا سفر اختیار کیا۔

شام کی سکونت

اور شام کے دارالخلافہ دمشق میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا زیادہ وقت درس و تدریس، احکام شریعت کی تلقین اور عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ شام میں رہائش پذیر بعض دوسرے صحابہ کی زاہدانہ و سادہ زندگی پر وہاں کی پرتکلف زندگی کی خصوصیات اور امتیازات کا کچھ نہ کچھ روغن چڑھ گیا تھا لیکن حضرت ابوالدرداء برابر اپنی سادگی اور بے تکلفی پر ثابت قدم رہے۔

حضرت عمر کی شام آمد اور ابوالدرداء سے ملاقات

حضرت عمر نے شام کا سفر کیا اور یزید بن ابی سفیان، عمرو بن عاص اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم کے مکانوں پر جا کر ملاقات کی تو سب کے شاہانہ ٹھاٹھ دیکھے۔ حضرت ابوالدرداء کے گھر پہنچے تو خدم چشم، تزک واحتشام اور زینت و آرائش تو ایک طرف، مکان میں ضروریاتِ زندگی تک نہ تھیں اور مدرسہ صفہ کا یہ سابقہ طالب علم ایک جگہ کمبل اوڑھے پڑا تھا اور وہاں چراغ تک نہ تھا۔ حضرت عمر نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پوچھا اس قدر عسرت سے زندگی گزارنے کا سبب کیا ہے؟ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں ہم کو اتنا ساز و سامان رکھنا چاہیے جتنا ایک مسافر کیلئے درکار ہے۔

آہ! آنحضرت ﷺ کے بعد ہم لوگ کیا سے کیا ہو گئے۔ اس پُراثر فقرہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے ہوئے صبح کر دی۔[1]

وظیفہ

حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں تمام اکابر صحابہ کا وظیفہ مقرر کیا تھا اور ان میں بدری صحابہ کا وظیفہ سب سے زیادہ تھا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اگرچہ بدری صحابہ میں نہ تھے لیکن آپ کا وظیفہ پھر بھی بدری صحابہ کے برابر تھا۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ سیر الصحابہ جلد سوم ص ۱۷۳

عہدہ قضا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ نے حضرت عثمان کی منظوری سے ان کو دمشق کا قاضی مقرر کیا تھا۔ کبھی کبھی امیر معاویہ کو باہر جانے کی ضرورت پڑتی تو انہی کو اپنا قائمقام بنا کر جاتے اور یہ دمشق میں قضا کا پہلا عہدہ تھا۔

اہل وعیال

آپ نے دو نکاح کیے اور دونوں بیویاں فضل وکمال میں ممتاز تھیں۔ پہلی کا نام ام درداء کبری خیرہ بنت ابی حدرد اسلمی اور دوسری کا نام ام درداء صغریٰ جہیمہ بنت حی وصابیہ تھا۔

ام درداء کبریٰ مشہور صحابیہ، بڑے درجہ کی عبادت گزار، نہایت عقل منداور بڑی فقیہہ تھیں۔ حدیث کی کتابوں میں ان سے بہت سی روایات مروی ہیں۔ قرأت میں یگانہ روزگار تھیں اور انہیں قرأت خود ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے سکھائی تھی۔[1]

اور ام درداء صغریٰ صحابیہ نہ تھیں۔ آپ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ حضرت امیر معاویہ نے نکاح ثانی کا پیغام دیا تھا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ آپ کی اولاد کے نام یہ ہیں۔

بلال، یزید، درداء، نسیبہ

حلیہ

آپ کا جسم خوبصورت، ناک اٹھی ہوئی، آنکھیں شربتی، داڑھی اور سر میں خضاب لگاتے تھے جس کا رنگ سنہرا ہوتا تھا۔ لباس عربی ہوتا تھا۔ ایک خاص قسم کی ٹوپی زیب سر فرماتے جس کو قلنسوہ کہتے تھے۔ عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ پیچھے لٹکاتے تھے۔[2]

وفات

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ابوالدرداء مسافرانہ زندگی گزارتے تھے، ہجرت کا

---

[1] [سیر الصحابہ ص ۱۷۶ ج سوم]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۳۶۸ جلد دوم]

بتیسواں (۳۲) سال تھا کہ یہ مسافر کاروان سرائے عالم سے اپنے اصلی وطن کو سدھارا۔ آپ کی وفات کا واقعہ عجیب حسرت ناک ہے۔ حضرت ابوالدرداء گریہ وزاری میں مصروف تھے بیوی نے کہا: آپ صحابی ہوکر روتے ہیں؟

ارشاد فرمایا: کیوں نہ روؤں نہ معلوم گناہوں سے چھٹکارا کیوں کر ہوگا؟ اسی حالت میں بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: دیکھو ایک دن تم کو بھی یہ واقعہ پیش آنا ہے اس دن کے لیے کچھ رکھنا۔

موت کا وقت قریب آیا تو جزع فزع کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ ایمان کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ہے تو فرمایا کہ خوف اور رجاء کے درمیان ہے۔ حضرت ابوالدرداء پر خوف الٰہی کا نہایت غلبہ تھا۔ آپ کی بیوی نے جو کہ پاس بیٹھی تھیں پوچھا آپ تو موت کو محبوب رکھتے تھے، پھر یہ پریشانی کیوں؟ فرمایا یہ سچ ہے لیکن جس وقت سے موت کا یقین ہوا ہے سخت پریشانی ہے یہ کہہ کر روئے پھر فرمایا یہ میرا آخری وقت ہے۔ کلمہ پڑھاؤ! چنانچہ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور حضرت ابوالدرداء اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ روح پاک نے قفس عنصری کو الوداع کہا۔ یہ ۳۲ھ کا واقعہ ہے۔[1]

جذبہ تعلیم

وفات سے کچھ دن قبل حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بیٹے یوسف ان کے پاس علم حاصل کرنے آئے لیکن حضرت ابوالدرداء اس وقت صاحب فراش تھے۔ پوچھا یوسف کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کی کہ آپ اور میرے والد صاحب کے درمیان جو تعلق تھا اس نسبت سے زیارت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: جھوٹ بھی کیا بری شے ہے لیکن جو شخص استغفار کر لے تو معاف ہو جاتا ہے۔[2]

حضرت یوسف ان کی وفات تک مقیم رہے۔ وفات سے کچھ پہلے یوسف کو بلا

---

[1] | سیر اعلام النبلاء ص ۳۴۷ ج دوم |

[2] | مسند احمد ص ۴۵۰ ج ۶ بحوالہ سیر الصحابہ |

کہا کہ لوگوں کو میری موت کی خبر کر دو۔ چنانچہ یوسف نے لوگوں کو بتا دیا کہ ابوالدرداء کا آخری وقت ہے۔ بس اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ آدمیوں کا طوفان امڈ آیا۔ گھر سے باہر تک آدمی ہی آدمی تھے۔

اندر اطلاع ہوئی تو فرمایا: مجھے باہر لے چلو۔ باہر آ کر اٹھ کر بیٹھے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے حدیث بیان کی اور جو علم سینۂ نبوت سے صفہ کے چبوترے پر حاصل کیا تھا آخری وقت تک اس کی اشاعت کا اہتمام کرتے رہے۔[1]

فضل وکمال

آپ کا شمار فضلائے صحابہ کرام میں ہوتا تھا اور صحابہ کرام ان کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دو باعمل عالموں (معاذ اور ابوالدرداء) کا کچھ ذکر کرو۔

یزید بن معاویہ کا قول تھا کہ ابوالدرداء کا علم اور تفقہ بہت سے امراض (یعنی جہالت) کو شفا بخشتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ ابوالدرداء سے علم سیکھنا کیونکہ ان کے پاس علم ہے۔

حضرت ابوذر غفاری نے حضرت ابوالدرداء سے خطاب کر کے فرمایا کہ زمین سے اوپر اور آسمان سے نیچے تم سے بڑا کوئی عالم نہیں۔

جلیل القدر تابعی مسروق رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے امام بھی تھے کہتے ہیں کہ میں نے تمام صحابہ کا علم چھ شخصوں میں جمع پایا، جس میں ایک ابوالدرداء ہیں یہی وجہ ہے کہ حجاز میں فضلائے صحابہ کی موجودگی کے باوجود طالبان علم نبوت آپ کے گھر کا رخ کرتے اور اس در سے اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ آپ کے درس کے وقت طلباء کا بہت ہجوم ہو جاتا، اپنے گھر سے برآمد ہوتے تو طلباء کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہوتی۔

---

[1] [مسند ص ۴۴۳ ج ۶]

ایک مرتبہ نماز پڑھنے مسجد تشریف لے جا رہے تھے اور مسائل پوچھنے والوں کا ایک لشکر ہمراہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے شاہی قافلہ رواں دواں ہے۔ آپ کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ آپ نماز فجر کے بعد درس دیتے اور جامع مسجد میں طالب علم ان کے گرد جمع ہو جاتے اور مسائل پوچھتے اور آپ جواب عنایت فرماتے جاتے۔

درس قرآن

حضرت ابوالدرداء اگرچہ فقہ و حدیث میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ لیکن ان کا اصل سرمایہ قرآن مجید کا درس و تعلیم تھا۔

حضرت ابوالدرداء ان لوگوں میں سے تھے جو جناب صاحب وحی کی حیات مبارکہ میں پورے قرآن مجید کے حافظ تھے اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دمشق میں قرآن مجید کی تعلیم کے لیے نامزد فرمایا تھا اور آپ دمشق کی جامع عمری میں درس قرآن دیتے رہے۔ گویا کہ یہ ایک دینی یونیورسٹی بن گئی تھی جو حقیقت میں اسلام کے پہلے مدرسہ صفہ کی ایک شاخ تھی اور اس کے مہتمم حضرت ابوالدرداء تھے، آپ کے ماتحت اور مدرسین بھی تھے اور طلباء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ لوگ دور دور سے آکر درس میں شریک ہوتے تھے۔

نماز صبح کے بعد دس دس آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ جماعت بنا دیتے اور ہر جماعت ایک قاری کے زیر نگرانی ہوتی۔ قاری قرآن پڑھاتے ہوئے ٹہلتے جاتے اور پڑھنے والوں کا سنتے رہتے جب کسی طالب علم کا حفظ قرآن مکمل ہو جاتا تو حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیے اسے اپنی شاگردی میں لے لیتے۔

طلباء جب اساتذہ سے سوال کرتے اور ان کے پاس جواب نہ پاتے تو براہ راست مرکزِ مدرسہ یعنی حضرت ابوالدرداء کی طرف رجوع کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے طالب علموں کے ہجوم و اژدہام کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک روز گنتی کروائی تو سولہ سو (۱۶۰۰) طالب علم حلقہ درس میں شریک نکلے۔

تفسیر

علم تفسیر کا سرمایہ باقاعدہ طور پر جن صحابہ کرام سے جمع ہوا ان میں اگرچہ ابوالدرداء کا نام نامی نہیں آتا تاہم متعدد آیات کی تفسیر آپ سے منقول ہے۔مشکل آیات کا مطلب جناب رسالت مآب ﷺ سے خود دریافت فرماتے تھے۔ایک روز دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! قرآن مجید کی اس آیت

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [یونس آیت ۶۴]

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔''

میں دنیا کی خوشخبری سے کیا مراد ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سے مراد ہے رویائے صالحہ یعنی اچھے خواب خواہ خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا شخص دیکھے۔[1]

نیز خود آپ سے کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وافی شافی جواب مرحمت فرماتے،ایک شخص نے سوال کیا کہ قرآن پاک کی آیت

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ﴾ [سورۃ الرحمن]

''اس شخص کے لیے دو جنتیں ہیں جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے۔''

میں زانی و چور بھی داخل ہے؟ تو فرمایا زانی اور چور کو اگر اپنے رب کا خوف ہوتا تو چوری ہی کیوں کرتا؟

سورۃ طارق کی آیت

﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ﴾

---

[1] [مسند ابوداؤد طیالسی بحوالہ سیر الصحابہ ص ۷۷ اج سوم]

''جس دن جانچے جائیں گے بھید۔''

میں سرائر کا لفظ عام تھا جس سے ہمہ قسم کی پوشیدہ چیزیں مراد ہوسکتی ہیں۔ حضرت ابوالدرداء نے موقع محل کے لحاظ سے چار چیزوں کو اس کا مصداق قرار دیا چنانچہ فرمایا: خدا نے چار چیزوں کا بندوں کو ضامن قرار دیا ہے۔

(۱) نماز، (۲) زکوٰۃ، (۳) روزہ، (۴) طہارت، سرائر انہی چیزوں کو کہتے ہیں۔[۱]

حدیث کا شوق

قرآن مجید کے بعد دوسرا بڑا مآخذ حدیث رسول ﷺ ہے جس کی تعلیم و اشاعت مدرسہ صفہ کے ان سچے طالب علموں کی زندگی کا اہم ترین مقصد تھا چنانچہ حضرت ابوالدرداء بھی اس فرض عظیم کو سب کاموں پر مقدم کرتے اور انہوں نے اس کی اشاعت کا فریضہ نہایت توجہ سے سرانجام دیا۔

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت سعدان بن طلحہ سے ایک حدیث بیان فرمائی۔ دمشق کی مسجد میں نبی مکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سعدان نے ان سے مزید توثیق کی غرض سے پوچھا تو ثوبان نے فرمایا کہ ابوالدرداء نے سچ کہا میں خود اس واقعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں موجود تھا۔[۲]

صحابہ جب مل کر بیٹھتے تو آپس میں حدیث نبوی ﷺ کا مذاکرہ کرتے۔ حضرت ابوالدرداء بھی ان مجلسوں میں شریک رہتے تھے اور کبھی خود بھی مذاکرہ کی ابتداء فرماتے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی کلام الٰہی اور حدیث نبوی کی تعلیم و اشاعت میں صرف ہوئی۔ جس وقت آپ کی روح اقدس عالم فانی سے پرواز کر رہی تھی اس وقت بھی آپ کو اشاعت حدیث کی فکر دامن گیر تھی چنانچہ اہل شہر کو جمع کر کے نماز کے

۱۔ [کنز العمال بحوالہ بیہقی ص ۱۵۷ ج ۱]

۲۔ [مسند ص ۴۴۳ ج ۶]

متعلق آخری وصیت سنائی۔[1]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے براہ راست لسان نبوت سے بہت کثیر تعداد میں احادیث سنیں لیکن وصال اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی علم کی پیاس نہ بجھی چنانچہ وصال کے بعد بھی آپ نے حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ سے احادیث سنیں اور روایت کیں۔ اس طرح آپ سے منقول احادیث کی کل تعداد ۱۷۹ ہے۔ جن میں سے ۱۳ بخاری اور ۸ مسلم میں ہیں۔

فقہ کا ذوق

قرآن و حدیث سے مستنبط شدہ مسائل کو علم فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو اس فن میں بھی خاص مہارت حاصل تھی۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے آپ کے پاس تشریف لاتے اور مسائل پوچھتے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے پوچھا کہ مال کا بہترین مصرف کیا ہے؟ میرے بھائی نے مرتے وقت مجھے چند دینار دیئے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دینا آپ نے فرمایا سب سے بہتر مصرف میرے نزدیک مجاہدین ہیں۔[2]

ذوق عبادت

آپ عبادات میں قیام لیل یعنی تہجد، نماز پنجگانہ کے علاوہ تین چیزوں کی نہایت سختی سے پابندی کرتے اور ان کو سفر و حضر میں نہ چھوڑتے کیونکہ ان چیزوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خاص طور سے وصیت فرمائی تھی۔ آپ چاشت کی نماز پابندی سے پڑھتے، ہر ماہ تین روزے رکھتے اور وتر پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

اس کے علاوہ نماز پنجگانہ کے بعد تسبیح فاطمہ (یعنی ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر) پڑھا کرتے تھے۔

---

[1] [مسند ص ۴۴۳ ج ۶]

[2] [مسند ص ۹۸ ج ۵]

خوف محشر

آخرت کا خوف اور محشر کا دھیان اس قدر تھا کہ ایک دن منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے فرمایا: میں اس روز سے بہت ڈرتا ہوں جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اوامر کی کیا پابندی کی اور منہیات سے کہاں تک رکے تو قرآن مجید کی آیات کہیں گی: اس نے کچھ نہیں کیا۔ اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟

لوگو! کیا میں اس وقت چھوٹ جاؤں گا؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جو کہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ حق گوئی میں بے باک تھے اور نہایت درجے کے زاہد تھے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے اخلاق کی رفعتوں کی گواہی دیتے اور فرمایا کرتے تھے۔

اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نہ پاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایمان لاتے تب بھی صالحین اسلام میں آپ کا شمار ہوتا۔[1]

آپ پر کبھی ذات باری تعالیٰ کے جلال و جبروت کا ایسا غلبہ ہوتا کہ مارے ڈر کے رعشہ طاری ہو جاتا۔[2]

دنیا سے بے رغبتی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ کروادی تھی۔ ایک دن حضرت سلمان آپ کے گھر تشریف لائے تو ام الدرداء کو بوسیدہ پرانے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ سلمان نے تعجب سے اس حالت کے بارے میں سوال کیا تو ام الدرداء نے جواب دیا۔ ''تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں رہی وہ بالکل دنیا سے بے رغبت ہو گئے ہیں'' کچھ دیر بعد ابوالدرداء تشریف لائے، جب کھانا چنا گیا تو ابوالدرداء نے حضرت سلمان سے فرمایا کہ کھائیے! میں روزے

---

۱ [سیر صحابہ ص ۱۸۰ ج ۴]

۲ [ایضاً]

سے ہوں۔ حضرت سلمان نے فرمایا: جب تک آپ نہ کھائیں گے میں بھی نہ کھاؤں گا چنانچہ دونوں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد رات کو جب سونے کا وقت ہوا اور حضرت ابوالدرداء نماز کے لیے کھڑے ہونے لگے تو حضرت سلمان نے روک دیا اور کہا کہ سو جائیں۔ ابوالدرداء سو گئے کچھ دیر بعد پھر بیدار ہونے لگے تو حضرت سلمان نے پھر روک دیا پھر صبح سے کچھ پہلے فرمایا کہ اب اٹھئے اور پھر دونوں نے اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کی اور پھر حضرت سلمان نے فرمایا: آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کے رب کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کے مہمان کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کے اہل وعیال کا بھی آپ پر حق ہے۔ چنانچہ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کریں۔ پھر جب یہ دونوں حضرات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ بات بھی ذکر کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ماجرا سن کر فرمایا۔ سلمان نے سچ کہا۔[1]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام مسلمانوں کا فرض ہے صحابہ اور مدرسہ صفہ کے یہ فارغ التحصیل اس فرض سے کہاں غافل رہ سکتے تھے، برائی کو دیکھ کر بلا کسی ملامت کی پروا کے نکیر کرتے چنانچہ

حضرت امیر معاویہ نے چاندی کا برتن خریدا جس کی قیمت بھی چاندی کے وزن سے ادا کی جو چاندی کے برتن سے کم وبیش تھی اور چونکہ اسلام میں یہ ناجائز ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے امیر معاویہ کو ٹوکا کہ چاندی کے بدلے چاندی کی بیشی کے ساتھ سود اور صریح حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاندی سونے میں برابر سرابر کا حکم دیا ہے۔[2]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے یوسف جب مرض الوفات میں حاضر ہوئے تو انہوں نے استفسار پر عرض کیا کہ آپ کی زیارت کے لیے

---

۱ [ترمذی ابواب الزہد]

۲ [مسند ص ۴۴۰ ج ۶]

آیا ہوں۔ لیکن چونکہ اصل میں یہ تحصیل علم کے لیے شام آئے تھے تو حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: جھوٹ بولنا بری بات ہے۔

عام مسلمانوں میں آپ کی قدر

صحابی رسول ہونے کی بنا پر آپ کا مرتبہ ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عام لوگ آپ کی نہایت قدر و منزلت کرتے اور آپ غصے کے عالم میں بھی اگر کچھ فرما دیتے تو لوگ بسرو چشم اسے بھی قبول کر لیتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک قریشی نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا، حضرت امیر معاویہ کا دور خلافت تھا، آپ نے قریشی کو مجرم ٹھہرایا اس نے کہا کہ پہلے انصاری نے میرے دانت پر مارا تھا۔ امیر معاویہؓ انصاری کو راضی کرنے پر اور انصاری قصاص لینے پر اصرار کر رہا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ابوالدرداء بیٹھے ہیں ان سے فیصلہ کروا لیتے ہیں جو یہ فرمادیں اس کو تسلیم کر لینا۔ حضرت ابوالدرداء نے ایک حدیث پڑھی کہ

"جس شخص نے جسمانی تکلیف پہنچنے پر ایذا دینے والے کو معاف کر دیا تو اس کے مراتب بلند اور گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔"

یہ حدیث سنتے ہی انصاری کا غیظ و غصہ یکسر رضا و محبت سے بدل گیا اور اس نے پوچھا کیا یہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! انصاری نے کہا کہ میں معاف کرتا ہوں۔[1]

آپ فساد و شر سے دور بھاگتے تھے، حجاز مقدس کی افضلیت اپنی جگہ پر ہے اور شام اس کے مقابلے میں زیادہ بہتر بھی نہ تھا تاہم حجاز میں ہر سال نئی فوج کشی ہونے لگی تھی اور شام ایک نظام و حکومت کے ربط کی وجہ سے فتنہ سے محفوظ تھا، حضرت ابوالدرداء کی شام میں سکونت کا سبب بھی یہی تھا۔ فرماتے تھے کہ جس مقام پر دو آدمی ایک بالشت زمین کے لیے جھگڑا کریں میں اس کو بھی چھوڑ دینا پسند کرتا ہوں۔

---

[1] | مسند ص ۴۴۵ ج ۶ |

معاشرت

آپ نہایت ہشاش بشاش رہتے ،لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے اور گفتگو کے وقت لب مبارک پر تبسم ظاہر ہوتا تھا۔ ان کی اہلیہ ام الدرداء ان کی اس عادت کو خلاف وقار سمجھتی تھیں۔ ایک دن کہا کہ آپ ہر بات پر مسکراتے ہیں لیکن لوگ آپ کو بیوقوف نہ بنائیں۔ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات کرتے وقت تبسم فرماتے تھے۔[۱]

آپ بہت فیاض اور مہمان نواز تھے تنگدستی کے باوجود مہمانوں کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ ان کا دولت کدہ اکثر ایک سرائے رہتا کہ جہاں لوگ آ کر ٹھہرتے اور جو جانا چاہتا اس کو زادراہ دے کر روانہ فرماتے۔

بعض لوگ دیر تک قیام کرتے اور یہ مدت کبھی ہفتوں تک پھیل جاتی لیکن مدرسہ صفہ کے اس ترتیب یافتہ اخلاق کے پیکر کو ذرا زحمت نہ ہوتی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لاتے تو ان ہی کے ہاں قیام فرماتے۔ آپ کا مزاج فطرۃً سادہ تھا، مسجد دمشق میں خود اپنے دست مبارک سے شجر کاری کرتے لوگ دیکھتے تو حیران ہوتے کہ صحابی رسول اور امام مسجد ہوتے ہوئے اتنے چھوٹے چھوٹے کام خود کر رہے ہیں۔[۲]

دل کے نرم تھے اور طبیعت میں لطافت تھی۔ ایک دن دیکھا ایک شخص کو لوگ گالیاں دے رہے ہیں۔ پوچھا گالیاں کیوں دیتے ہو تو معلوم ہوا اس نے کوئی گناہ کیا تھا۔ فرمانے لگے: گالی دینے سے کیا فائدہ؟ ایک شخص کنویں میں گرا ہو تو اس کو تو نکالنا چاہیے۔ غنیمت سمجھو اس گناہ سے تم بچ گئے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اس شخص کو برا نہیں سمجھتے؟ فرمایا: اس شخص میں اپنی ذات کے اعتبار سے برائی نہیں ہاں اس کا یہ عمل برا ہے اگر یہ چھوڑ

---

۱ [مسند ص ۴۴۸ ج ٦]

۲ [ایضاً]

دے تو میرا بھائی ہے۔

استغناء

طبیعت میں استغناء تھا اور بے نیازی سے مالا مال تھے۔عبداللہ بن عامر شام آیا تو بہت سے صحابہ وظائف لینے لگے لیکن حضرت ابوالدرداء اپنی جگہ سے بھی نہ ہلے۔عبداللہ خود ان کا وظیفہ لے کر دولت کدہ پر حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ تشریف نہ لائے تھے اس لیے مجھے آنا پڑا۔فرمایا: تم سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی ذلیل نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ''جب امراء اپنی حالت بدل لیں تو تم بھی بدل لینا''۔[1]

☆☆☆

[1] کنز العمال ص ۱۷۱ ج ۲ بحوالہ سیر الصحابہ ص ۱۸۴ جلد ۳

﴿ سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ﴾

(مسیح الاسلام)

نام و نسب

آپ کا نام جندب، کنیت ابوذر، اور لقب "مسیح الاسلام" تھا سلسلہ نسب یوں ہے ۔جندب بن جنادۃ ابن قیس بن عمرو بن ملیل بن صغیر بن حزام بن غفار۔ والدہ ماجدہ کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھیں۔[1]

اسلام سے پہلے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ اسلام سے پہلے راہ زنی کیا کرتا تھا۔ جاہلیت کے ایام میں بھی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہی پیشہ تھا اور آپ نہایت مشہور ڈاکو تھے، تن تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے اکیلے ہی قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد دفعتہً ان کی زندگی میں انقلاب بر پا ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ لوٹ مار کا پیشہ یک لخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ ظہور اسلام سے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا تو یہ اللہ کی پرستش کرتے تھے۔

ابو معشر کی روایت ہے کہ ابوذر غفاری جاہلیت کے ایام سے ہی موحد اور خدا پرست ہیں، خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے سب سے پہلے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی اطلاع دی اس کے الفاظ یہ تھے

"ابوذر! تمہاری طرح مکہ میں ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے"

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ص ۴۹۸ جلد سوم]

ابوذر کی خدا پرستی صرف اعترافِ توحید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا نماز پڑھتے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہونے سے تین سال پہلے سے نماز پڑھ رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کس کی نماز پڑھتے تھے؟ کہا: خدا کی! پھر پوچھا کس طرف رخ کرتے تھے؟ کہا: جس طرف خدا پھیر دیتا تھا۔

﴿اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ﴾

"تم جہاں بھی رخ پھیرو گے پس اللہ کو وہیں پاؤ گے"۔[1]

اسلام کی تلاش میں پہلی آزمائش

چونکہ ابوذر جاہلیت ہی سے اسلام اور دینِ حق کے متلاشی تھے اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور فوراً دعوتِ حق کا جواب دیا جب کہ چار آدمیوں کے علاوہ ساری دنیا کی زبانیں اس اعلانِ حق سے خاموش تھیں۔ اس اعتبار سے اسلام لانے والے یہ پانچویں شخص ہیں ان کے اسلام کا واقع خاص اہمیت رکھتا ہے یہ دلچسپ داستان خود ان کی زبانی مروی ہے۔

ان کا بیان ہے میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھے معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لیے روانہ کیا وہ تحقیق کر کے واپس آئے تو میں نے پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! وہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اس قدر مجمل بیان سے میری تسلی نہیں ہوئی اس لیے میں سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ کی طرف خود چل پڑا وہاں پہنچا تو یہ دقت پیش آئی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی خلافِ مصلحت معلوم ہوتا تھا اس لیے خانہ کعبہ میں جا کر ٹھہر گیا اور زمزم کے پانی پر گزر اوقات ہونے لگی۔

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو رک کر پوچھا: تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گئے لیکن میری ان سے کوئی گفتگو

---

[1] ابن سعد بحوالہ سیر الصحابہ ص ۶۷ جلد دوم

نہیں ہوئی صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیونکہ ابھی تک آنحضرت ﷺ کے حالات سے بے خبر تھا اتفاق سے پھر حضرت علی گذرے اور دریافت کیا کہ اب تک تم کو اپنا ٹھکانہ معلوم نہیں ہوا؟ میں نے کہا: نہیں! پھر وہ دوبارہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے، اس مرتبہ انہوں نے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا اگر اس کو راز رکھیں تو میں عرض کروں فرمایا مطمئن رہو! میں نے کہا میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تسلی بخش خبر نہ لایا اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے نیکی کا راستہ پالیا سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا۔ چنانچہ میں حسب ہدایت ساتھ ہولیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے سامنے اسلام پیش کیجئے! آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا ابوذر! ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ میرے ظہور کے بعد واپس آنا میں نے قسم کھا کر کہا میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا یہ کہہ کہ مسجد میں آیا یہاں قریش کا مجمع تھا میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا قریشیو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے للکارا کہ اس بے دین کو پکڑو! اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر بے دم کر دیا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا وہ مجھ کو بچانے کے لیے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ وہ قبیلہ تمہاری گزرگاہ ہے یہ سن کر سب ہٹ گئے۔

لیکن اسلام کا نشہ وہ نشہ نہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ وغضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر یہی نعرہ مستانہ تھا اور پھر وہی مسجد تھی وہی

سرداران قریش کا مجمع اور پھر وہی ستم آرائی۔[۱]

مسلم شریف میں فضائل ابی ذر میں ان کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہی مذکورہ بالا روایت، اس روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں دوسری روایت خود ان سے مروی ہے دونوں روایتوں کے واقعات باہم مختلف ہیں دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے وطن سے اپنے بھائی انیس اور امنا کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں گئے کچھ دن کے بعد ان سے خفا ہو کر چلے گئے، اتفاق سے انیس کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ گئے وہاں سے لوٹ کر ابوذر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے وواقعات بیان کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف سن کر ابوذر خود تحقیق کے لیے مکہ پہنچے اور ایک شخص سے آپ کا پتہ پوچھا پوچھتے ہی ہر طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹے پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا لیکن یہ نہ ہٹے۔ تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

مراجعتِ وطن

کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا اور فرمایا کہ عنقریب میں یثرب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور اس صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے۔

ابوذر نے آپ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے سے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے انہوں نے پوچھا کیا کر کے آئے؟ جواب دیا اعتراف صداقت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہوں یہ سن کر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے یہاں سے دونوں بھائی تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے وہ بھی مشرف با اسلام ہوئے اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوتِ حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہو گیا ہے۔[۲]

۱۔ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۷ جلد سوم]

۲۔ [صحیح مسلم ص ۲۹۶ جلد دوم]

ہجرت ومواخاۃ

آنحضرت ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابوذر، بنی غفار میں رہے اور بدر، خندق، احد وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اسی بنا پر مواخاۃ میں اختلاف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے منذر بن عمرو اور ابوذر غفاری کے درمیان مواخاۃ کروائی تھی۔

مدینہ کا قیام

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران صفہ کے اس طالب علم کا سارا وقت اپنے معلم و مربی یعنی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزرتا تھا اور ان کا محبوب مشغلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت تھی۔

خود کہتے ہیں کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتا تھا اس سے فراغت کے بعد آکر پھر مسجد میں آرام کرتا تھا۔

چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اس لیے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت ابوذر کی غزوات میں شرکت کی تفصیل نہیں ملی صرف غزوہ تبوک میں شرکت کا پتہ چلتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے نکلے تو بہت سے لوگ بچھڑنے لگے (کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا) جب کوئی شخص بچھڑتا تو لوگ آنحضرت ﷺ کو بتاتے کہ یارسول اللہ ﷺ فلاں شخص نہیں آیا آپ فرماتے جانے دو اگر اس کی نیت اچھی ہے تو خدا عنقریب اس کو تم سے ملا دے گا ورنہ خدا نے اس کو تم سے چھڑا کر تمہیں اس سے راحت دے دی ہے۔ یہاں تک کہ ابوذر کا نام لیا گیا کہ وہ بھی بچھڑ گئے۔

واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ سست ہوگیا تھا اس کو پہلے چلانے کی کوشش کی جب نہ چلا تو اس پر سے ساز وسامان اتار کر اپنی پیٹھ پر لاد ا اور پیادہ پا حضور ﷺ کے پیچھے روانہ

ہوئے اور اگلی منزل پر جا کر مل گئے۔ ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ راستہ پر کوئی شخص آرہا ہے آپ نے فرمایا ابوذر ہوں گے! لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم ابوذر ہیں! آپ نے فرمایا:

''خدا ابوذر پر رحم کرے وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا مریں گے اور قیامت کے دن تنہا اٹھیں گے۔''[1]

آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی آئندہ واقعات میں اس کی تفصیل آئے گی اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قحط کے زمانے میں بھی جب کہ بہت سوں کے ارادے متزلزل ہو گئے تھے، ابوذر پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹھ پر لاد کر پیادہ میدانِ جہاد میں پہنچے تو ان غزوات میں جن میں اس قدر دشواریاں نہ تھیں یقیناً شریک ہوئے ہوں گے پھر وہ آنحضرت ﷺ کے خدام میں سے تھے اس لیے ان لڑائیوں میں جن میں حضور ﷺ بنفسِ نفیس شریک ہوئے ہوں گے ان میں ابوذر بھی یقیناً ہمرکاب رہے ہوں گے خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہے کہ ان کو جہاد کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تمام مسلمانوں کی تلواریں اپنے جوہر دکھا رہی ہوں اس وقت ان کی تلوار نیام میں رہی ہو۔ فتح مکہ کے بعد جب اسلامی افواج کا مظاہرہ ہو رہا تھا تو سب سے آگے ان کے ہی قبیلہ کا پرچم تھا۔[2]

عہد شیخین

حضرت ابوذر فطرۃً فقیر منش، زاہد اور تارک الدنیا اور عزلت پسند تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو مسیح الامت کا لقب دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد انہوں نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا لیکن قیام دیارِ محبوب میں ہی رہا وفاتِ نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا اس لیے عہد صدیقی میں کسی چیز میں حصہ نہیں لیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات نے اور شکستہ خاطر کر دیا۔ گلشنِ مدینہ ویران نظر آنے لگا اس لیے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام میں الگ تھلگ رہنے لگے۔

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۷۳ جلد سوم]

[2] [سیر الصحابہ ص ۷۱ جلد دوم]

عہد عثمانی

اسلام کی اصل سادگی شیخین کے دور تک ہی رہی پھر جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو مال و دولت کی بھی فراوانی ہونے لگی اور قدرۃً سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہو گئے چنانچہ عہد عثمانی ہی میں امراء میں شاہانہ شان و شوکت کی ابتداء ہو چکی تھی اور ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش و تنعم کے تکلفات پیدا ہونے لگے۔ شام میں رومیوں کے اثر نے اس کو اور زیادہ فروغ دیا دولت و ثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کر لی، جگہ جگہ قصر و دیوان بننے لگے۔ زرق برق پوشاکیں پہنی جانے لگیں لیکن حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کیلئے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو بھوکا ننگا دیکھ کر بھی اپنے لیے مال و دولت کا خزانہ جمع کرے۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر امرائے شام وغیرہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا فرض کیا ہوا وظیفہ زکواۃ ادا کرنے کے بعد مسلمانوں کو دولت جمع کرنے کا اختیار ہے۔ اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر لی۔

حضرت ابو ذر نہایت بے باکی سے ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طمطراق، دولت و حشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینی کرتے تھے اور ان کے ضرورت سے زائد دولت جمع کرنے پر ان کو قرآن مجید کی اس آیت کا مورد اقرار دیتے تھے۔

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [توبہ آیت ۳۴]

”جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔“

اس آیت مبارکہ سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے اور حضرت ابو ذر اس کو مسلمانوں اور

غیر مسلموں دونوں سے متعلق سمجھتے تھے۔

دوسرا اختلاف یہ تھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ راہ خدا میں مال نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کُل مال راہِ خدا میں نہیں دیتے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ یہ حکم صرف زکوٰۃ سے متعلق ہے بہر حال حضرت ابوذر نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن و تشنیع شروع کر دی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ کھڑا ہو اس لیے انہوں نے حضرت عثمان کو اس کی اطلاع دی اور کہلا بھیجا کہ انکو مدینہ بلا لیا جائے۔ حضرت عثمان نے ان کو مدینہ بلا لیا اور ایک دن حضرت کعب سے ان کے سامنے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے؟ کعب نے کہا کہ ایسے شخص کے بارے میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے یہ سن کر ابوذر بگڑ گئے اور ڈنڈا اٹھا لیا اور غصے میں بولے یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو بچھو ڈسیں گے۔[1]

اس لئے حضرت عثمان نے مجبور ہو کر آپ سے کہا کہ آپ میرے پاس رہیے دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی لیکن اس زاہد بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی بالکل ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔

ربذہ کا قیام

لیکن اب مدینہ بھی پہلا سا مدینہ نہیں رہ گیا تھا لوگ آ کر حضرت ابوذر کو تعجب سے دیکھتے تھے جہاں وہ جاتے ہجوم ہو جاتا اور اس سے حضرت ابوذر کو تکلیف ہوتی۔

مکہ کے قریب ربذہ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ حضرت عثمان نے ان سے کہا یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کی خواہش کی وہاں کے لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بنو ثعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا۔ عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر کہا کہ اس شخص (عثمان رضی اللہ عنہ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے اگر آپ ان

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۴۷۸ جلد دوم]

کے خلاف علم بغاوت بلند کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں آپ نے فرمایا مسلمانو! تم اس معاملے میں دخل نہ دو، اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اگر عثمان مجھ کو سولی پر چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا اور میں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا اور اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق سے دوسرے افق میں یا مشرق سے مغرب میں بھیج دیتے تب بھی میں سر تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ میں ہی لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اسی میں اپنی سعادت سمجھتا۔[1]

وفات

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حسرت انگیز ہے۔ ۳۲ھ میں ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی۔[2]

ان کی حرمِ محترم ان کی وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابوذر کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی۔ پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے کہا تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو۔ یہاں میرے اور تمہارے استعمال کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں جو تمہارے کفن کے کام آئے۔ فرمایا: رونا موقوف کرو میں تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہوں وہ آگ سے بچانے کے لئے کافی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں میں بھی تھا یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی۔

میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں اس لیے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور میں بقسم کہتا ہوں کہ نہ میں نے تم سے جھوٹ بیان کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا، اس لئے گذرگاہ پر جا کر دیکھو یہ غیبی مدد ضرور آتی ہوگی۔

[1] [طبقات ابن سعد جز ۴ ص ۱۶۷]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۸۔۳ جلد دوم]

میں (آپ کی اہلیہ محترمہ) نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے ہیں اور راستہ بند ہو چکا ہے فرمایا تم جا کر دیکھو چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ کر دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیمارداری کرتی تھی اسی دوڑ دھوپ اور تلاش وانتظار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیئے میں نے اشارہ کیا وہ لوگ نہایت تیزی سے آکر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابوذر کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے میں نے کہا: ابوذر ہیں پوچھا آنحضرت ﷺ کے صحابی ابوذر؟ میں نے کہا ہاں! وہ لوگ **فدیت بابی و امی.** "میرے ماں باپ آپ پر قربان" کہہ کر ابوذر کے پاس گئے تو پہلے ابوذر نے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی سنائی اور پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر کپڑا نکلے تو اسی کپڑے میں مجھ کو کفنانا اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو کوئی حکومت کا ادنی عہدہ دار بھی ہو وہ مجھے نہ کفنائے اتفاق سے ایک انصاری نوجوان کے علاوہ ہر کوئی کسی نہ کسی خدمت پر مامور رہ چکا تھا چنانچہ انصاری نے کہا چچا! میرے پاس ایک چادر ہے اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے ہیں ان میں ہی آپ کو کفنا دوں گا۔ فرمایا: ہاں تم ہی کفنانا [1]

اور اس وصیت کے بعد وفات پائی، یہ لوگ کوفہ سے آرہے تھے ان ہی کے ساتھ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے جو عراق جارہے تھے بہرحال اس انصاری نوجوان نے ان کو کفنایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر سب نے مل کر اس صحرا کے ایک حصہ کو ان کے لئے آخری آرام گاہ بنا دیا۔ [2]

حلیہ

آپ کا قد دراز، جسم فربہ، رنگ سیاہی مائل، داڑھی گھنی، سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ [ایضاً]

---

۱ [مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۵]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۸۲ جلد سوم]

۳ [ایضاً]

ترکہ

آپ نے جیسی زاہدانہ زندگی بسر کی اور جس فقر کا درس دیا اس فقر و زہد کا مظہر کامل آپ ہی کی ذات تھی چنانچہ اس فقیر کے ترکہ میں تین گدھے دو مادہ، ایک نر، چند بکریاں اور کچھ سواریاں پیچھے بچیں جو کہ ان کی ساری کائنات تھی۔

فضل و کمال

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی کے بڑے حاضر باش تھے ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ کرنے اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ تمام اصول و فروع ایمان و احسان، رویت باری تعالیٰ، خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کلمات، لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز حتی کہ نماز میں کنکریوں کے چھونے تک کے بارے میں پوچھا۔[۱]

اسی ذوق و شوق اور تلاش و جستجو نے آپ کو علم کا دریا بنا دیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ جو علم و عمل کے مجمع البحرین تھے فرماتے تھے کہ ابو ذر نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کر دیا تھا کہ اس میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔[۲]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے جو اپنی وسعت کے لحاظ سے حبر الامت کہلاتے تھے۔

حدیث

کلامِ حبیب ہونے کی حیثیت سے قدرۃً آپ کو حدیث شریف سے خاص ذوق تھا۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے ان میں متفق علیہ ۱۲ اور ۲ بخاری اور ۷ مسلم شریف میں منفرد ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے اس کا بڑا

---

۱ [حلیۃ الاولیاء]

۲ [اسد الغابہ مترجم ص ۴۹۹ جلد ۳]

سبب یہ تھا کہ ابو ذر خاموش، تنہائی پسند اور کم گو تھے اس لئے ان کے علم کی اشاعت نہ ہو سکی ورنہ صحابہ میں انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے۔

فتویٰ دینے میں صداقت

آنحضرت ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد مدینہ منورہ میں جو جماعت صاحب علم و افتاء تھی۔ اس میں ان کا نام نامی بھی تھا مگر ان کے فتاویٰ جات کی تعداد بہت کم ہے۔ فتویٰ میں وہ بالکل کسی کی رعایت نہ کرتے تھے اور بلا کسی خوف و ہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہہ دیتے تھے۔ عہد عثمانی میں بعض محصلین، صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے ایک شخص نے آکر ان سے فتویٰ پوچھا کہ عثمان کے محصلوں میں صدقہ وصول کرنے میں اضافہ کر دیا ہے ایسی صورت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! ان سے کہو جو واجبی ہو وہ لے لو اور جو ناجائز ہو اس کو واپس کر دیں اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہارے میزان میں کام آئے گی۔ ان کا یہ فتویٰ ایک قریش نوجوان کھڑا سن رہا تھا وہ بولا آپ کیوں فتویٰ دیتے ہیں کیا آپ کو امیر المومنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا؟ فرمایا: کیا تم میرے نگہبان ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کٹنے سے قبل جو کچھ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔[1]

اخلاق و عادات

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ان محرمانِ خاص میں سے تھے جن کو بارگاہِ نبوت میں خاص تقرب حاصل تھا اس لئے آپ کے ہر قول و فعل پر خُلق نبوی کا بہت گہرا پرتو پڑا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جنہوں نے دین و دنیا کو پوری طرح حاصل کیا دوسرے وہ جنہوں نے دنیا کو ٹھکرایا اور محض آخرت کی نعمتوں پر قناعت کی۔ حضرت ابو ذر اسی دوسری صف میں تھے وہ زہد و ورع، حق گوئی و حق پرستی، توکل و قناعت،

---

[1] [سیر اعلام ص ۷۷ جلد سوم]

استغناء و بے نیازی میں تمام صحابہ سے ممتاز تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب قیصر و کسریٰ کے خزانے دار الخلافہ میں لدے چلے آ رہے تھے جگہ جگہ قصر و ایوان بن رہے تھے، عیش و تنعم کے سامان ہو رہے تھے مگر ان میں سے کوئی چیز رضوان الٰہی کے اس طالب کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ زر و جواہر کے ڈھیر ان کی نگاہ میں کنکریوں و سنگریزوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ زر نقد کبھی جمع نہیں کیا، ضرورت سے جو فاضل بچتا اس کو اسی وقت خرچ کر دیتے آپ کا چار ہزار وظیفہ مقرر تھا جب وہ ملتا تو خادم کو بلاتے اور ایک سال کے اخراجات کا اندازہ لگا کر چیزیں خرید لیتے اس سے جتنی رقم فاضل بچتی لوگوں میں تقسیم کر دیتے اور فرماتے جو شخص سونا چاندی تھیلوں میں محفوظ رکھتا ہے وہ گویا انگارے رکھتا ہے یہ بھی فرماتے میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص بھی سونا چاندی محفوظ کرتا ہے وہ جب تک اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کر دے وہ اس کے لیے آگ کا انگارہ رہے گا۔[1]

وہ اس پر نہ صرف خود عامل تھے بلکہ چاہتے تھے کہ دنیا اسی رنگ میں رنگ جائے اور اس عقیدے میں یہاں تک متشدد تھے کہ بڑے لوگوں سے ملنا تک گوارا نہ کرتے تھے۔

ابو موسیٰ اشعری جو بڑے رتبہ کے صحابی ہیں اور مرتبہ میں آپ سے کم نہیں، جب عراق کی گورنری کے زمانے میں ان سے ملے تو ان سے چمٹ گئے انہوں نے کہا دور رہو۔ ابو موسیٰ بھائی بھائی کہہ کر لپکتے تھے اور وہ یہ کہہ کر ہٹاتے تھے کہ اس عہدہ کے بعد تم میرے بھائی نہیں رہے۔

اس کے بعد پھر ابو موسیٰ ملے تو محبت کے جذبے سے بے قرار ہو کر بھائی بھائی کہہ کر لپکے لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا پھر وہی جواب تھا کہ ابھی دور رہو، اس کے بعد سوالات شروع کیے کہ تم لوگوں کے عامل بنائے گئے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! پوچھا تم نے بڑی عمارت تو نہیں بنائی، زراعت تو نہیں کرتے، گلے تو نہیں رکھتے؟ انہوں نے کہا نہیں! بولے ہاں اب تم میرے بھائی ہو۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذر، حضرت ابو الدرداء انصاری صحابی کے پاس سے

---

[1] [ابن سعد جز ۴ ص ۱۶۹]

گذرے تو دیکھا کہ ابو درداء گھر بنوار ہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فرمانے لگے تم لوگوں کی گردنوں پر پتھر اٹھواتے ہو؟ ابو درداء نے جواب دیا کہ نہیں میں گھر بنوار ہا ہوں ابو ذر نے پھر وہی فقرہ دہرایا۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا کہ میرے بھائی شاید آپ کو کچھ ناگواری پیدا ہوگئی ہے حضرت ابو ذر نے فرمایا اگر میں تم کو اس کے بجائے تمہارے گھر کے پاخانہ میں دیکھتا تو اس کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتا۔[1]

سادگی

اس فقیرانہ زندگی کے باعث ان کی زندگی بالکل سادہ تھی اور ان چند چیزوں کے علاوہ جو ایک جاندار کی زندگی کے لئے ناگزیر ہیں، کبھی ساز و سامان نہیں رکھا۔ ابو مروان نے ان کو ایک پشمینہ کی چادر باندھے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ ابو ذر اس چادر کے علاوہ تمہارے پاس کوئی اور کپڑا نہیں ہے؟ فرمایا کہ اگر میرے پاس کوئی کپڑا ہوتا تو تم اسے میرے پاس دیکھتے۔ انہوں نے کہا کچھ دن ہوئے تمہارے پاس دو کپڑے تھے فرمایا ہاں مگر وہ دونوں اپنے سے زیادہ حاجت مند کو دے دیئے انہوں نے کہا کہ تم کو خود اس کی حاجت تھی۔ فرمایا خدا تم کو معاف کرے تم دنیا کو بڑھانا چاہتے ہو، تم کو نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں اور دوسری مسجد کے لیے ہے۔ میرے پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں، کچھ خچر ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں ایک خادم کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے اس سے زیادہ اور کیا نعمتیں درکار ہیں۔[2]

عبداللہ بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے ربذہ میں ابو ذر کو دیکھا وہ سایہ میں ایک صوف کے نمدے پر بیٹھے ہیں ان سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی؟ انہوں نے جواب دیا: خدا کا شکر ہے اس نے اس دار الفناء میں اولاد لے کر دار البقاء میں ذخیرہ آخرت بنا دیا۔ آپ کی بیوی بہت کالی تھی لوگوں نے کہا کاش آپ کوئی دوسری بیوی کر لیتے! انہوں نے جواب دیا کہ ایسی عورت سے شادی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے

۱۔ [حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۱۶۳]

۲۔ [ابن سعد ص ۱۷۳ ج ۴]

جو مجھ میں تواضع پیدا کرے بہ نسبت اس کے کہ جو مجھ میں ترفع (بلندی) پیدا کرے۔

جعفر بن زبرقان کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو حضرت ابوذر کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھا کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ اگر ابوذر کا گھر کا سارا سامان جمع کیا جاتا تو بھی اس شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے) کی چادر کی قیمت کے برابر نہ نکلتا۔ جعفر نے اس کو مہران بن میمون سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ان کا کل اثاثہ دو درہم سے زیادہ نہ تھا۔

لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے مگر وہ اس کو قبول نہ کرتے تھے ایک مرتبہ حبیب بن سلمہ فہری والی شام نے ان کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں کہ وہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں انہوں نے اسی وقت واپس کروا دیں اور فرمایا کہ اس کو میرے علاوہ کوئی اور شخص خدا کے معاملے میں دھوکہ کھانے والا نہیں ملا؟ ہم کو صرف سر چھپانے کے لیے سایہ، دودھ پینے کے لیے بکریاں اور خدمت کے لیے ایک لونڈی چاہیے اس کے ماسوا جو کچھ ہوگا سب زائد از ضرورت ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ لوگ موت کے لیے پیدا ہوتے ہیں، ویران ہونے کے لیے آبادیاں بساتے ہیں، فنا ہونے والی چیزوں کی حرص و طمع کرتے ہیں اور باقی رہنے والی اور پائندہ چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ دو ناپسندیدہ چیزیں موت اور فقر میرے لئے کس قدر خوش آئند ہیں۔[1]

زہد و تقویٰ

ان کی زندگی شروع سے آخر تک سرتاپا زہد و تقویٰ سے پر تھی۔ جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے زہد و تقویٰ کا عجیب و غریب نمونہ نظر آئے گا۔ اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میری امت میں ابوذر میں عیسیٰ بن مریم جیسا زہد ہے یہی زہد کی زندگی آخری دم تک قائم رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے لوگوں میں بہت کچھ تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں لیکن حضرت ابوذر غفاری شروع سے اخیر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔[2]

---

۱ [حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۳ جلد اول]

۲ [الاصابہ ص ۶۲ جلد دوم]

جب عہد رسالت کا پاکیزہ دور ختم ہوا اور لوگ دنیا میں ملوث ہونے لگے تو آپ نے عزلت نشینی اختیار کرلیا۔ عمران بن حطان راوی ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوذر کے پاس گیا وہ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے میں نے کہا ابوذر! تنہائی کیوں اختیار کرلی فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہمنشین سے بہتر ہے۔[1]

اور اسی وجہ سے وہ دنیا سے بہت دور بھاگتے تھے۔

ابو اسماء رحبی راوی ہیں کہ میں ابوذر کے پاس ان کے مکان ربذہ گیا تو ان کی بیوی کو سخت خستہ حال دیکھا، فرمانے لگے: یہ عورت مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ! اگر میں عراق جاؤں تو وہ لوگ میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہنم کے پل کے سامنے پیر پھسلانے والا راستہ ہے اور تم لوگوں کو اس پر سے گزرنا ہے اس لیے بوجھ کی گراں باری سے ہلکا رہنا چاہیے۔

فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاس:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر لمحہ پیش نظر رکھتے تھے اور اس سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے تھے بات بات میں فرماتے تھے۔

میرے دوست جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے یا یہ کہ میں نے اپنے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امارت کی خواہش ظاہر کی آپ نے فرمایا تم ناتواں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اسکے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لئے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔[2]

اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہ کی ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں انہوں نے ایک کا تہبند (پاجامہ) بنایا اور ایک چھوٹی کملی اوڑھ لی اور دوسری غلام کو دے دی۔ گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ آپ دونوں چادریں

---

[1] [مستدرک ص ۳۴۳ جلد سوم]

[2] [ابن سعد ص ۱۷۰ جز چہارم]

خود استعمال فرماتے تو بہتر ہوتا فرمایا: یہ بات صحیح ہے لیکن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا جب تمہارے اوپر ایسے حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے، اس وقت تم کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ تلوار سے کام لوں گا۔ فرمایا میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں، ایسے وقت صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ۔ اس مشورہ پر انہوں نے سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو تنہا نشینی اختیار کر لی اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ابو ذر جب تم نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ عرض کی مسجد نبوی یا اپنے گھر چلا جاؤں گا آپ نے فرمایا کہ اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ اختیار کرو گے؟ عرض کی کہ تلوار نکالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا ابو ذر! خدا تمہاری مغفرت کرے تلوار نہ نکالنا بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اسی فرمان کے مطابق بلا کسی عذر کے چلے گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ ہر چند اس نے آپ کو آگے بڑھانا چاہا مگر آپ نے جواب دیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔[1]

حُبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابو ذر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے جو محبت تھی اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا۔ ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آدمی ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن اس جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا ابو ذر تم جس شخص سے محبت رکھتے ہو اسی کے ساتھ ہو۔ عرض کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں فرمایا تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو جس سے محبت رکھتے ہو۔[2]

---

۱ [مسند احمد ص ۱۴۴ جلد ۵]

۲ [ابوداؤد ص ۳۱۲ جلد دوم]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب آپ کا نام نامی زبان پر آتا تو آنسوؤں کا دریا امڈ آتا۔ احنف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کر رہا ہے جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جفت نماز پڑھی ہے یا طاق؟ اس نے کہا کہ اگر میں لاعلم ہوں تو خدا تو ضرور جانتا ہے اس کے بعد کہا کہ میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے صرف اسی قدر زبان سے نکلا تھا کہ پھر رونے لگے پھر کہا میرے دوست ابوالقاسم نے مجھے خبر دی......، ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو امڈ آئے، آخر میں سنبھل کر کہا میرے دوست ابوالقاسم نے فرمایا ہے جو بندہ خدا کا سجدہ کرتا ہے خدا اسکا ایک درجہ بلند کر کے ایک بدی مٹا کر ایک نیکی لکھتا ہے میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا: ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی! یہ سن کر میں اپنی کوتاہی پر بہت نادم ہوا۔[1]

بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پذیرائی

حریم نبوت میں ان کی یہ نیاز مندیاں بہت مقبول تھیں جب یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو مخاطبت کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تو تلاش ہوتی اور جب ملاقات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے مصافحہ فرماتے۔

یہ محبت و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور یہ بھی رازداری کا پورا حق ادا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں فرمایا: اگر وہ آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا۔[2]

یہی یگانگت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوا بھیجا جب یہ حاضر خدمت ہوئے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

۱ [مسند احمد ص ۱۶۴ جلد ۵]

۲ ۰[مسند احمد ص ۱۶۹ ج ۵]

لیٹے ہوئے تھے ابو ذر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھک گئے اور محبوب عالم نے ہاتھ بڑھا کر چمٹا لیا، نہ معلوم یہ نگاہ واپسیں کیا کام کرگئی کہ آخری وقت تک وارفتگی کا عالم طاری رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو چیز اپنے لیے پسند فرماتے وہی ابو ذر کے لیے بھی پسند فرماتے کہ یہی آئین محبت ہے ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا: ابو ذر! تم ناتواں ہو اور میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔[1]

خلیفہ کی اطاعت

اگرچہ ابو ذر رضی اللہ عنہ حق پسند طبیعت رکھتے تھے لیکن پھر بھی اختلافِ امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ربذہ کے قیام کے زمانے میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمان کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر حبشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس کو عملاً کر کے دکھایا۔ چنانچہ جب وہ ربذہ جا کر مقیم ہوئے تو اتفاق سے وہاں کا امیر ایک حبشی تھا جب ابو ذر پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو وہ ان کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا۔ ابو ذر نے فرمایا: کہ تم ہی نماز پڑھاؤ، تم گو حبشی غلام ہو لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ حبشی ہی امیر کیوں نہ ہو مگر اس کی اطاعت کرنا۔

خلیفہ وقت کا عمل خواہ ان کے نزدیک غلط ہی کیوں نہ ہوتا لیکن اس کی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ خود بھی وہی کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حج کو گئے کسی نے آ کر اطلاع دی کہ منیٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں نماز پڑھی ہے آپ کو بہت ناگوار ہوا اور درشت الفاظ استعمال کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے یہ سب دو رکعتیں پڑھتے تھے اس کے بعد انہوں نے امامت کی مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں فرمایا: اختلاف بری چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ میرے بعد امراء ہوں گے ان کی تذلیل نہ کرنا جو شخص ان کی تذلیل کا ارادہ کرے گا اس نے گویا اسلام کی مضبوط رسی اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے

---

[1] [ایضاً]

لئے بند کرلیا۔[1]

حق گوئی

خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی بالکل پروا نہ کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آج میرے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں جو خدا کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف نہ کرتا ہو۔[2]

ان کی حق گوئی پر شہادت خود زبان نبوت نے دی چنانچہ ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔[3]

فیاضی وسیر چشمی

اس تحقیر دینا کا لازمی نتیجہ سیر چشمی و فیاضی تھا، ان کو سالانہ وظیفہ کافی ملتا تھا لیکن اپنی محدود ضروریات کے علاوہ جو باقی بچتا اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ اگر کوئی کہتا کہ اس کو رکھ لیجئے آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے کام آئے گا تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص سونا چاندی جمع کرتا ہے وہ گویا انگارے جمع کرتا ہے جب تک اس کو راہ خدا میں صرف نہ کر دے۔[4]

مہمان نوازی اور پڑوس کا حق

آپ کی غذا زیادہ تر بکریوں کا دودھ تھا لیکن اس میں بھی مہمانوں اور پڑوسیوں کو شریک کرتے تھے۔ عمیلہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ دودھ دوھ کر پہلے مہمانوں اور پڑوسیوں کو پلاتے تھے۔ ایک

---

[1] [مسند احمد ۱۶۵ جلد ۵]

[2] [تذکرۃ الحفاظ تذکرہ ابوذر]

[3] [ترمذی ص ۲۰۰ جلد دوم ابواب المناقب]

[4] [مسند احمد ۱۵۶ جلد ۵]

دفعہ دودھ اور کھجوریں لے کر مہمانوں اور پڑوسیوں کے سامنے پیش کر کے معذرت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اگر ہوتا تو پیش کر دیتا چنانچہ جو کچھ تھا سب دوسروں کو کھلا دیا اور خود بھوکے سور ہے۔[1]

خوش اخلاقی

عموماً زہاد اور عزلت پسند لوگوں کے مزاج میں ایک طرح کی خشکی ہوتی ہے لیکن حضرت مسیح الاسلام کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی ان کا اخلاق بد دلوں تک کو مسحور کر لیتا تھا۔ ایک بدوی کا بیان ہے کہ میں ابوذر کے ساتھ رہا ہوں ان کی تمام اخلاق خوبیاں تعجب انگیز تھیں۔

وہ جن اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا تھے ان کو خود سناتے تھے کہ میرے دوست نے مجھے سات وصیتیں کی ہیں (۱) مسکین کی محبت اور ان سے ملنا جلنا (۲) اپنے سے کمتر کو دیکھنا اور بلند تر کو نہ دیکھنا (۳) کسی سے سوال نہ کرنا (۴) صلہ رحمی کرنا (۵) حق بولنا خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو (۶) خدا کے معاملے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرنا (۷) ''لاحول ولا قوۃ'' کا کثرت سے ورد کرنا۔[2]

☆☆☆

---

[1] [ابن سعد جز ۵ ص ۱۷۴]

[2] [سیر الصحابہ ص ۸۵ جلد دوم]

﴿سیّدنا ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن، ابوعبس کنیت اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔عبدالرحمٰن بن جبیر بن عمرو بن زید بن حشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

آپ کا نام جاہلیت میں عبدالعزی تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا تھا۔

اسلام

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے تھے۔

غزوات

آپ بہت سے غزوات میں شریک رہے،غزوہ بدر میں آپ کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔آپ نے ابو بردہ کو ساتھ لے کر بنو حارثہ کے بہت سے بت بھی توڑے تھے اور خنیس بن حذافہ سے آپ کی مواخاۃ ہوئی تھی۔

انصار کی وہ جماعت جو کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا ارادہ کرکے نکلی تھی، ابوعبس بھی ان میں شامل تھے۔[1]

وفات

۳۴ھ میں انتقال فرمایا۔آپ بیمار تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عیادت کیلئے تشریف لائے لیکن مرض اور بڑھاپے نے روح کا رشتہ جسم سے مزید قائم نہ رہنے دیا اور بیماری کی حالت میں اس عالم فانی سے کوچ کرگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

---

[1] [اسد الغابہ ص ۲۸۳ جلد سوم]

حضرت عثمان نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سال کی تھی۔

اولاد

آپ نے دو لڑکے چھوڑے محمد اور زید۔

حلیہ

آپ کی ایک آنکھ کی بینائی دور نبوت میں ہی چلی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عصا دیا تھا کہ اس کو لے کر چلنے سے روشنی معلوم ہوتی تھی۔ بڑھاپے میں جب بال سفید ہو گئے تھے تو بالوں میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

فضائل ومناقب

ایام جاہلیت ہی سے آپ علم کے شوقین تھے اور اسلام سے پہلے بھی عربی لکھ لیتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد قرآن وحدیث سیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی احادیث روایت کیں۔[1]

☆☆☆

[1] [اسد الغابہ ص ۲۸۳ جلد سوم]

سیدنا ابو عُبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ

(أمِينُ الامّة)

نام ونسب

عامر نام، ابو عبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب تھا۔ والد کا نام عبداللہ تھا اور دادا کا نام ابن الجراح تھا، اور دادا کے نام کی طرف منسوب ہو کر ہی ابو عبیدہ بن الجراح مشہور ہوئے۔ سلسلہ نسب یوں ہے عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اُہیب بن ضبہ بن الحارث بن القرشی الفہری۔ حضرت ابو عبیدہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جن کو صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جنتی ہونے کی بشارت مل چکی تھی۔ یعنی آپ ان دس افراد میں سے ہیں جو عشرہ مبشرہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

اسلام

حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو بکر کی تبلیغ پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، اس وقت تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[1]

ہجرت

اسلام قبول کرنے کے بعد قریشِ مکہ کے ظلم وستم سے دو مرتبہ ہجرت کرکے حبشہ تشریف لے گئے، پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں اور حضرت ابن معاذ رضی اللہ عنہ، میں باہم بھائی چارہ کروادیا تھا۔[2]

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص ۳ ج ۳]

۲ [اصابہ ص ۶ ۷ جلد ۴]

غزوات

مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مبارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ غزوہ بدر اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ حضرت ابوعبیدہ شجاعت و جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں برسرپیکار ہوئے ان کے والد عبداللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے انہوں نے کئی دفعہ حضرت ابوعبیدہ کو تاک کر نشانہ بنایا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کچھ دیر دیکھتے رہے۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آرہے تو بالآخر جوش توحید، نسبی تعلق پر غالب آ گیا اور ایک ہی وار میں ان کا کام تمام کر دیا۔[1]

درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس کے مقابلے میں ماں باپ، بھائی، بہن، غرض تمام رشتہ دار، بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں۔

چنانچہ اس انقطاع الی اللہ کی داد رب کریم نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں دی ہے۔

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ، وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [سورۃ مجادلۃ رکوع ۳]

''تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گے گو وہ ان کے باپ، بھائی، بیٹے یا ان کے کنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں، یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضان غیبی سے ان کی مدد کی۔''

---

[1] [سیر اعلام ایضاً]

غزوہ اُحد میں آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا اور زرہ کی دو کڑیاں چہرہ انور میں چبھ گئیں تھیں جس سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا۔ اگر چہ ان کڑیوں نے نکلتے نکلتے ان کے دو دانت شہید کر دیئے لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت گذاری میں دو دانت تو کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ پر قربان ہونیوالے دانتوں کے ٹوٹ جانے سے ان کے روئے مبارک پر وہ حسن پیدا ہوا گویا کہ وہ دانت وہاں باعثِ عیب تھے۔ لہٰذا ان کے بارے میں کہا جانے لگا ''مارُئِیَ هَتْمٌ قطُّ احسن من هَتْمِ ابی عُبَیْدَةَ'' کسی کے دانتوں کا ٹوٹ جانا ابوعبیدہ کے دانتوں کے ٹوٹ جانے سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔[1]

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح غزوہ خندق اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں برسر پیکار رہے اس کے بعد ۶ ھ میں جب قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطراف مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہ رسالت سے ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے چنانچہ انہوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپا مارا اور ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آئے جس نے مدینہ منورہ پہنچ کر خوش دلی سے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوعبیدہ اسی سال بیعت رضوان میں شریک ہوئے بلکہ مقام حدیبیہ میں قریش مکہ کے ساتھ جو عہد نامہ طے پایا اس پر ان کی گواہی بھی تھی۔

غزوۃ ذات السلاسل

۷ ھ میں خیبر کی فتح کشی میں رسول اللہ ﷺ کے ہم کاب رہے اور اس کی فتح میں شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص کو ایک جماعت کے ساتھ ذات السلاسل روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے انہوں نے دربار رسالت سے مزید کمک کی درخواست کی جس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۹ جلد سوم]

سرکردگی میں دو سو جنگی بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاص کی فوج سے مل گئی تو دو امیر ہوگئے اور قدرۃً سپہ سالاری کی بحث شروع ہوگئی، حضرت عمرو فرمانے لگے کہ میں امیر ہوں، مہاجرین نے کہا کہ ہمارے امیر تو ابوعبیدہ ہیں۔ عمرو کہنے لگے کہ تمہیں تو میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے، حضرت ابوعبیدہ نے جب یہ مباحثہ ملاحظہ کیا تو بلا کسی شورش کے حضرت عمرو کے امیر ہونے کو تسلیم کرلیا۔

اور نہایت کامیابی کے ساتھ دشمن پر حملہ کرکے اسے زیروزبر کردیا۔[1]

اللہ تعالیٰ کی نصرت کا دلچسپ واقعہ

سنہ ۸ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں تین سو آدمیوں پر مشتمل ایک مہم ساحلی علاقوں کی طرف روانہ فرمائی تاکہ قریش کے قافلوں کی نقل وحرکت کا پتہ چلائیں۔ قافلہ روانہ ہونے کے کچھ دن بعد ہی توشہ ختم ہوگیا۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے اہل لشکر سے کہا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لے آؤ سب لے آئے یہ سارا توشہ جمع کیا گیا تو کھجور کی دو تھیلیاں بنیں اب روزانہ سب کو دو دو کھجوریں ملتیں جب یہ بھی ختم ہونے لگیں تو ایک ایک کھجور ملنے لگی۔ اس حدیث کو روایت کرنے والے تابعی حضرت وہب بن کیسان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب یہ حدیث سنی تو تعجب سے پوچھا کہ ایک کھجور میں کیا بنتا ہوگا؟ تو حضرت جابر فرمانے لگے کہ "لقد وجدنا فقد ناحين فنيت" اس کی قدر اس وقت محسوس ہوئی جب یہ ایک ملنا بھی بند ہوگئی۔[2]

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ اس لشکر میں شریک تھے نے جب دیکھا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے آئے ہوئے ہیں اور فاقہ مستی کا یہ عالم ہے کہ اب

---

[1] [تاریخ ابن سعد حصہ چہارم]

[2] [بخاری کتاب المغازی]

پتے کھانے کی نوبت آگئی ہے تو ان سے یہ حالت نہ دیکھی گئی انہوں نے اہل ساحل سے ادھار اونٹ خرید خرید کر ذبح کرنا شروع کر دیئے۔ پہلے دن تین اونٹ ذبح کیے، دوسرے دن بھی تین اور پھر تیسرے دن بھی تین اونٹ ذبح کر کے مجاہدین اسلام کی تواضع کی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم ادھار اونٹ خرید کر ذبح کیے جا رہے ہو یہ قرض کہاں سے ادا کرو گے؟ حضرت قیس نے جواب دیا کہ ہمارے گھر میں مال ہے اس سے قرض ادا کروں گا۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا وہ تمہارے ابا کا ہے تو قیس نے کہا کہ میرے والد اجنبی حاجتمندوں اور غریبوں کی امداد کرتے ہیں تو اگر میں مقروض ہوں تو کیا میری امداد نہیں کریں گے؟ حضرت ابوعبیدہ نے ان کی باتوں سے متاثر ہو کر کچھ نرمی اختیار کر لی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے روک دیا چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے انہیں منع کر دیا۔

پھر جب یہ لوگ سمندر کے کنارے پہنچے تو اللہ رب العزت نے ان فاقہ مستوں کی ضیافت کا سامان کیا کہ ایک بہت بڑی مچھلی کو سمندر کے کنارے ڈال دیا۔ یہ بہت بڑی مچھلی تھی جس کا نام عنبر تھا[1] اور اس کی لمبائی پچاس ہاتھ تھی۔ بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں "**فاذا حوت مثل الظرب**" جب ہم ساحل پر پہنچے تو ہم نے ایک چٹان جیسی مچھلی پائی۔ یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اٹھارہ دن تک اس کا گوشت کھایا اور پھر بھی وہ ختم نہ ہوئی اور یہ لوگ واپسی پر مدینہ منورہ اس کا گوشت لے کر آئے...... حضرت ابوعبیدہ کے حکم سے اس کی پسلیوں کی دو ہڈیاں جوڑ کر کھڑی کی گئیں اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ جو کہ لشکر اسلام میں سب سے طویل القامت تھے کو حکم دیا کہ سب سے اونچے اونٹ پر بیٹھ کر اس کے نیچے سے گذریں! حضرت قیس نیچے سے گذر گئے لیکن ان کا سر ان پسلیوں تک نہیں پہنچ پایا۔

---

[1] [عنبر بڑی مچھلی کو بھی کہتے ہیں اور عنبر خوشبو بھی ہوتی ہے، اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ اسی مچھلی کا فضلہ ہوتا ہے ابن سینا کہتے ہیں کہ عنبر کی خوشبو سمندر میں پیدا ہوتی ہے، سمندر میں ایک خاص قسم کا جانور اس خوشبو کو نگل لیتا ہے اور کھاتے ہی مر جاتا ہے اور سمندر اس جانور کو باہر پھینک دیتا ہے بعد ازاں اس کے پیٹ سے یہ خوشبو نکال لی جاتی ہے۔ کشف الباری ص ۵۸۵ کتاب المغازی، فتح الباری ۸/۸۱]

نیز حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے تیرہ آدمیوں کو اس کی آنکھ میں بیٹھنے کا حکم دیا چنانچہ تیرہ آدمی سہولت کے ساتھ اس کی آنکھ کے گڑھے میں سما گئے۔[۱] اسی سال مکہ فتح ہوا پھر حنین پھر طائف کی جنگیں پیش آئیں، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ان تمام معرکوں میں بھی پیش پیش رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

متفرق خدمات

آنحضرت ﷺ نے اہل بحرین کے ساتھ مصالحت کر لی تھی اور علاء بن الحضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے تو واپسی میں صبح کی نماز میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا جسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: شاید تم لوگوں کو ابوعبیدہ کے آنے کی اطلاع ہوگئی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ! سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا: بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کروں گا لیکن خدا کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے ڈر ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی اور جس طرح ان کو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی حرص اور طمع ولالچ نے ہلاک کر دیا ہے تمہیں بھی ہلاک کرے گی۔[۲]

سنہ ۱۰ھ میں آپ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح بھی ساتھ تھے۔ اسی سفر سے واپسی پر آپ ﷺ کا وصال پر ملال ہوا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہوا لیکن صلحائے امت نے جلد ہی اسے ختم کر دیا۔ اس آتش کو بجھانے میں حضرت ابوعبیدہ کی کوششیں کسی سے کم نہ تھیں چنانچہ انہوں نے انصار کو مخاطب کر کے کہا:

> ''اے انصار کے گروہ! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس لیے تم ہی سب سے پہلے افتراق واختلاف کے بانی نہ ہو جاؤ۔''

---

۱ [کشف الباری ایضاً]

۲ [بخاری کتاب الرقاق]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا کہ یہ دیکھو! یہ ابو عبیدۃ ابن الجراح ہیں جن کو امین الامت کا خطاب ملا ہے اور یہ عمر بن الخطاب ہیں ان کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو لیکن ان دونوں بزرگوں نے بالاتفاق صدیق اکبر کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کر دیا اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کرلی، اس کے بعد تمام مہاجرین وانصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور بیعت کرلی اور فتنہ کا ایک تاریک بادل افقِ اسلام سے چھٹ گیا۔

امین الامۃ کا لقب

۹ھ میں اہل نجران نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ایک معلم دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم وتلقین کے ساتھ ساتھ ان کے جھگڑوں کا بھی فیصلہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوعبیدہ اٹھ! جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ امت کا امین ہے اس کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں [1]

شام کی سپہ سالاری

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرحبیل کو اردن اور عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ جمع ہو جائیں تو کمانڈر انچیف ابوعبیدہ ہوں گے۔

حضرت ابوعبیدہ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو کثیر التعداد رومی فوجوں کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر انہوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کیا اور دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی چنانچہ حضرت خالد بن ولید جو کہ عراق کی مہم پر مامور تھے، دربارِ خلافت کے حکم پر اسلامی لشکر کے ساتھ آ ملے اور اس متحدہ فوج نے بصرہ، فحل اور اجنادین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کرلیا۔

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۷ ج ۳]

فتح دمشق

دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ابتدائی حکومت میں خالد بن ولید بیدار مغزی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند کر قلعہ کے اندر داخل ہوگئے اور شہر کے دروازے کھول دیئے، حضرت ابوعبیدہ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے عیسائیوں نے یہ صورت حال دیکھی کہ ایک طرف حضرت خالد نے قتل وغارت شروع کر رکھا ہے اور دوسری جانب سے ایک اور لشکر ابو عبیدہ کی سرکردگی میں داخل ہوگیا ہے، اب خیر اسی میں ہے کہ مصالحت کر لی جائے۔

حضرت ابوعبیدہ کچھ نرم دل طبیعت کے انسان تھے اور انہیں خالد رضی اللہ عنہ کے قتل وقتال کی خبر نہ تھی، عیسائیوں نے صلح کی پیش کش کی جو انہوں نے قبول کر لی اور حضرت خالد کے مفتوحہ علاقے بھی ان سے صلح کے تحت شامل کر لئے گئے اور ان پر صلح کی شرائط جاری کر دی گئیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو ان کو رنج ہوا اور ابوعبیدہ کا صلح کر لینا نامناسب معلوم ہوا لیکن چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا اس لئے مجبوراً ان کو بھی لڑائی روکنا پڑی۔

معرکہ فحل

دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں اور مقام فحل میں خیمہ افگن ہوئیں رومیوں کا پڑاؤ ''فحل'' کے سامنے مقام ہیسان میں تھا، انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغامِ مصالحت بھیجا اور گفت وشنید کے لئے ایک سفیر بلایا۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل اس عہدہ پر مامور ہوئے لیکن سفارت بے نتیجہ رہی اور رومیوں نے براہ راست حضرت ابو عبیدہ سے گفتگو کرنے کے لئے قاصد بھیجا جب وہ پہنچا تو دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ واعلیٰ ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہے، امیر وماتحت کی کوئی پہچان نہیں آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابوعبیدکا کی طرف اشارہ کیا اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے متعجب ہو کر کہا کہ کیا تم ہی سردار ہو؟ فرمایا: ہاں!

قاصد نے کہا کہ تمہاری فوج کو دو اشرفیاں فی کس دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ، حضرت ابوعبیدہ نے انکار فرمایا اور قاصد کے تیور دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دیا۔

غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، حضرت ابوعبیدہ ایک ایک صف میں جاتے اور کہتے

''خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ
خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

حضرت ابوعبیدہ خود قلب میں تھے (فوج کے درمیانے حصے کو قلب، دائیں کو میمنہ اور بائیں کو میسرہ کہتے ہیں) اور نہایت حسنِ تدبیر سے فوج کو لڑا رہے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی تعداد نے پچاس ہزار پر مشتمل رومی لشکر کو شکست دے دی اور اردن کے تمام مقامات مسلمانوں کے زیرنگیں ہو گئے۔

فتحِ حمص

یہاں سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہل حمص کچھ دیر تک تو کمک کی امید پر لڑتے رہے لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے خود بخود شہر حوالے کر دیا۔

حضرت ابوعبیدہ نے یہاں عبادہ بن صامت کو چھوڑ کر ''لاذقیہ'' کا رخ کیا اور راستے میں شیرز، حماۃ، معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات میں اسلامی جھنڈے گاڑتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچے۔

''لاذقیہ'' نہایت مستحکم تھا، حضرت ابوعبیدہ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے، شہر والوں نے جو مدت سے قلعہ بندی سے تنگ آ چکے تھے اس کو تائید غیبی سمجھا اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا اور کاروبارِ زندگی میں مصروف ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اسی رات کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر غاروں میں چھپ گئے

تھے، صبح کے وقت نکل کر آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کر دیا اور شہر میں فاتحانہ داخل ہو گئے۔

یرموک کی فیصلہ کن جنگ

رومیوں کی متواتر ہزیمتوں نے ان کے آتشِ غیظ وغضب کو بھڑکا دیا تھا اور ہرقل شاہِ روم کی دعوت پر تمام اطراف ملک سے ٹڈی دل لشکر جمع ہو گیا تھا، حضرت ابوعبیدہ کو شامی امراء ورؤساء نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہو چکے تھے، تمام واقعات کی اطلاع دی۔

حضرت ابوعبیدہ نے دشمن کی تیاریوں کی اچھی طرح تحقیقات کر کے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کیا اور ایک پر جوش تقریر کر کے اس عظیم لشکر کا مقابلہ کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیان نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر ہم مقابلے کے لئے نکلیں اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھ کر بلا لیا جائے۔

شرحبیل بن حسنہ نے کہا کہ یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے لیکن ہم کو اپنا ننگ وناموس شہر والے عیسائی باشندوں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑنا چاہیے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سر دست اس کی تدبیر تو پھر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر بدر کر دیں۔

شرحبیل نے اٹھ کر کہا کہ اے امیر یہ صریحاً نقضِ عہد ہوگا اور آپ کو ہرگز اس کا حق نہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی اور بالآخر بحث ومباحثہ کے بعد یہ رائے طے پائی کہ مفتوحہ علاقے چھوڑ کر تمام فوجیں دمشق میں جمع ہوں، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے عیسائیوں سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا لیکن جب ہم فی الحال اس سے عاجز ہیں تو ہمیں یہ لینے کا کوئی استحقاق نہیں چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے۔ دمشق میں جب اسلامی فوجیں جمع ہو گئیں تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر یرموک کے میدان

میں (جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا) مورچہ جمالیا۔ اسی اثناء میں اردن سے حضرت عمرو بن العاص کا خط پہنچا کہ آپ کے لوٹنے نے اس علاقہ پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت وشورش پھیل گئی ہے حضرت ابوعبیدہ نے جواب میں لکھا کہ ہمیں مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑ رہا ہے تا کہ منتشر قوت ایک جگہ جمع ہو جائے بہر حال تم اپنی جگہ جمے رہو میں عنقریب تم سے آکر ملوں گا۔

مسلمانوں کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اور عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلے میں خیمہ زن ہوئے تاہم جو عربی تلوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ صلح کے خواہشمند ہوئے بلکہ سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی کہ صلح ہو جائے اور لڑائی کی نوبت پیش نہ آئے اسی غرض سے باہان نے اسلامی لشکر کی طرف ایک قاصد بھیجا۔

جارج نامی یہ قاصد شام کے وقت اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا کہ کوئی مسلمان سفیر ساتھ لے جائے۔ اس وقت مغرب کی نماز کا وقت تھا اور مسلمان نماز میں مشغول تھے۔ قاصد نے جب یہ مؤثر طریقہ عبادت دیکھا اور نماز میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا خشوع وخضوع، محویت واستغراق ملاحظہ کیا تو اس پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہوئی وہ نہایت تعجب سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ اسلام کی حقانیت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر اس نے حضرت ابوعبیدہ سے چند سوالات کیے جن میں سے ایک یہ تھا کہ تم عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ جواب میں حضرت ابوعبیدہ نے قرآن مقدس کی یہ آیات تلاوت کی۔

﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ط اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ کَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ﴾ [النساء: ۲۳]

اور ﴿لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ [النساء ع ۲۳]

''اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق

کے علاوہ اور غلط باتیں منسوب نہ کرو۔ حقیقت میں مسیح بن مریم خدا
کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف ڈال دیا
تھا۔ مسیح بن مریم اور ملائکہ اور مقربین کو (بھی) خدا کی بندگی میں عار
نہیں ہے۔''

جارج نے ان آیتوں کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور درحقیقت تمہارا پیغمبر سچا ہے یہ کہہ کر خوش دلی سے مسلمان ہو گیا اور واپس جانے سے انکار کیا لیکن حضرت ابوعبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہاں سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

خیر دوسرے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہ ہوا کہ دونوں فریقوں میں جوش کی آگ مزید بھڑک اٹھی کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے ہمیشہ دو شرطیں ہوتی ہیں جن میں تغیر وتبدل قطعاً ناممکن ہوتا ہے ''اسلام'' یا ''جزیہ'' دوسری طرف رومی جو اپنی بادشاہی کے نشے میں سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے بہرحال جنگ شروع ہوئی تو مسلمان صرف تیس بتیس ہزار کی تعداد میں تھے تاہم فوج کے افسروں کی دانش مندی، فن سپہ گری اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش وجذبہ نے جلد ہی دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔

اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی فوجی ڈھیر ہوئے اور مسلمانوں بھی کم وبیش تین ہزار کام آئے جن میں بڑے نامور سپہ سالار اور قابلِ فخر جنگجو ہشام بن العاص، ابان بن سعید وغیرہ شامل تھے۔ یرموک کی فتح کے بعد تمام ملکِ شام مسلمانوں کے خیر مقدم کے لئے تیار تھا حضرت ابوعبیدہ نے حمص پہنچ کر حضرت خالد سیف اللہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔ چند دنوں بعد انطاکیہ نے بھی ہتھیار ڈال کر صلح کر لی۔ غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

بیت المقدس[1] کی فتح

فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاص کے سپرد تھی، چنانچہ وہ دو بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آملے۔ عیسائیوں نے بھی ایک عرصہ سے قلعہ بندی سے تنگ آکر صلح کی درخواست کر دی تھی اور مزید اطمینان کے لیے یہ شرط رکھی کہ امیر المؤمنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ صلح لکھیں۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس معاہدہ نامہ کی شرائط سے آگاہ کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہو کر مقامِ جابیہ پہنچے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ بیت المقدس کے نمائندے بھی یہاں پہنچ گئے اور معاہدہ صلح ترتیب پانے کے بعد اس شہر پر قبضہ ہو گیا۔

رومیوں کی آخری کوشش

شام جیسے سرسبز و شاداب علاقہ کا ہاتھ سے نکل جانا رومیوں کیلئے سخت سوہانِ روح تھا جو اُن کو کسی طرح برداشت نہ تھا چنانچہ انہوں نے جزیرہ آرمینیہ والوں کی مدد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ادھر ادھر سے فوجیں جمع کیں اور دربارِ خلافت کو تمام حالات سے مطلع کیا چنانچہ امیر المؤمنین کے حکم سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ میدانِ جنگ میں باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پر جوش اور مؤثر تقریر فرما کر مسلمانوں سے کہا کہ:

"مسلمانو! جو آج ثابت قدم رہا اور زندہ رہا تو ملک اور مال ہاتھ

---

[1] [اسے المَقدِس اور المُقَدَّس دونوں طرح پڑھا گیا ہے القاموس الوحید ص ۱۲۸۶۔]

آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔''

اس زمانے میں اسلام کا ہر ایک فرزند جوشِ ملت اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا، اس تقریر نے انہیں اور بھی گرما دیا غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ مرج الدیباج تک بھاگتے چلے گئے۔ اس طرح رومیوں کی آخری کوشش بھی ناکام ہوگئی اور اس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ دمشق کے امیر مقرر ہوئے لیکن ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہ کو تفویض کر دیا۔ حضرت خالد دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ امینِ امت تمہارا والی ہے حضرت ابو عبیدہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ غرض اسی لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا انتظام سنبھالنے کے بعد حضرت ابو عبیدہ ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظامی حیثیت سے ملکِ شام میں جو اصلاحات جاری کیں ان میں سے اکثر کا نفاذ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہی ہوا ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی سے شام سے چار ہزار اونٹ غلے کے لدے ہوئے بھیجے۔[1] اشاعتِ اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا چنانچہ قبیلہ تنوخ، قبیلہ بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور عیسائی مذہب کے پیرو کار تھے صرف ابو عبیدہ کی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔

---

[1] [طبری ص ۲۵۷۷ بحوالہ سیر صحابہ]

طاعونِ عمواس

۱۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی بیماری پھیلی خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود دارالخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سرداروں نے یہاں ان کا استقبال کیا۔ حضرت عمر نے شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرین اور پھر انصار سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف آرا دیں اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے لوگ تھے اور تجربہ کار بھی تھے، مشورہ چاہا انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سرِ دست یہاں سے لوگوں کو منتقل کرنا ہوگا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کروادی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا سب میرے ساتھ چلیں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے اس لیے ان کو یہ حکم ناگوار گزرا اور انہوں نے آزادی کے ساتھ کہا کہ أفِرَارًا مِنْ قَدرِ اللّٰہ کیا اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہو؟ حضرت عمر عموماً حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ کاش! یہ جملہ تمہارے علاوہ کسی اور نے کہا ہوتا! ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر تقدیر الٰہی کی طرف۔

غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ کچھ دنوں کے لیے یہاں چلے آئیں آپ سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر میں ہوگا وہ ہوگا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے نہیں ٹل سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح نہیں ٹلتے تو پھر تاکید کے ساتھ لکھا کہ فوج کو لے کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جائیں اس وقت جہاں پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس حکم کی تعمیل میں حضرت ابو موسیٰ الاشعری کے انتخاب پر مقامِ جابیہ چلے گئے۔

جابیہ پہنچ کر حضرت ابو عبیدہ طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ جب مرض شدت اختیار کر

گیا تو حضرت معاذ بن جبل کو جوان کے اسلامی بھائی تھے، اپنا جانشین بنایا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک پراثر تقریر فرمائی اور آخر میں فرمایا کہ صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحاء روزگار نے اسی میں وفات پائی ہے اور اب ابو عبیدہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا خواہش مند ہے۔

وفات

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الٰہی یعنی حضرت ابو عبیدہ امین الامت نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت معاذ بن جبل نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر پرزور تقریر کر کے فرمایا ساتھیو! آج تم میں سے ایک ایسا شخص اٹھ گیا ہے کہ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیاء اور خلقِ خدا کا خیر خواہ آج تک نہیں دیکھا پس خدا سے اس کے لیے مغفرت و رحم کی دعا کرو۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ۵۸ برس کی عمر پائی اور قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[1]

اخلاق و عادات

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقویٰ، زہد، تواضع مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں۔

خوف خدا

خوف خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لئے سرمایہ عبرت بن

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۴ جلد ۳]

جاتے اور اکثر خدا کی ہیبت وجلال کو یاد کر کے چشم پرنم ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زاروقطار رو رہے ہیں اس نے متعجب ہو کر پوچھا ابو عبیدہ! خیر تو ہے یہ رونا دھونا کیسا؟ کہنے لگے ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی آئندہ فتوحات اور مالداری کا ذکر فرمایا اور شام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اے ابو عبیدہ! اگر اس وقت تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے، ایک خاص تمہاری ذات کیلئے، ایک تمہارے اہل وعیال کیلئے، اور ایک سفر میں ساتھ لے جانے کیلئے۔ اسی طرح سواری کے لئے تین جانور کافی ہوں گے، ایک تمہارے لئے، ایک غلام کیلئے اور ایک اسباب وسامان کے لئے لیکن میں اب دیکھتا ہوں کہ میرا گھر غلاموں سے بھرا ہوا ہے اور میرے اصطبل میں وافر مقدار میں گھوڑے موجود ہیں۔ آہ! میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس حال میں ملے گا کہ جس حال میں، میں اسے چھوڑ کر جاؤں گا۔[۱]

اطاعتِ رسول

ہادی امت کی اطاعت میں امین الامت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون پیش پیش ہوگا؟ واقعہ بدر میں اپنے والد کو قتل کیا، رسولِ برحق کی راحت رسانی کے لئے دو دانت شہید کروائے، غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص سے اختلاف ہوا تو صرف اس لئے اطاعت وفرمانبرداری کا طوق گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا بلکہ فرمانِ رسول اللہ ﷺ پر گردن جھکاتا ہوں امینِ امت کا آخری لمحہ بھی اطاعتِ رسول میں گزرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے لیکن انہوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت

---

[۱] [سیر اعلام ص ۶ جلد ۳]

کی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے ان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتیں ایک حقیر ذرہ سے زیادہ بے وقعت تھیں، شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کی طرز معاشرت کو بدل دیا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے سفر کے موقع پر افسروں کو پر تکلف عبائیں اور زرق برق پوشاکیں پہنے دیکھا تو اس قدر غصے ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جس حال میں ملے وہ ہی عرب کی سادگی تھی بدن پر سادہ کپڑے اور سواری کی اونٹنی جس کی نکیل میں معمولی سی رسی تھی۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے اپنے گھر لے چلئے'' حضرت ابوعبیدہ نے جواب دیا آپ میرے گھر میں کیا کریں گے وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہو! لیکن جب حضرت عمر نے اصرار فرمایا تو ابوعبیدہ ان کو ساتھ لے آئے۔ حضرت عمر ان کی قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی دیکھی یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا حضرت عمر نے فرمایا اے ابوعبیدہ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے! اس دنیا سے بے نیاز مرد قلندر نے جواب دیا اے امیر المؤمنین! ہمیں آرام گاہ (قبر) تک پہنچانے کے لئے یہ ہی کافی ہے۔[1]

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ کے پاس چار ہزار درہم اور چار سو دینار بطور انعام بھیجے۔ انہوں نے تمام تر رقم فوج میں تقسیم فرما دی اور اپنے لیے ایک دانہ بھی نہ رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: الحمد للہ! اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں[2] سچ تو یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے اتنا ذلیل و رسوا کسی نے کیا تو وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہی شاگرد تھے کہ

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی۔

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۵ جلد سوم]

خاکساری وتواضع

گذشتہ واقعات میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سادگی جھلکتی نظر آتی ہے۔اور بہت سے واقعات جو اس عظیم کمانڈر کی سادگی کی منہ بولتی تصویر ہیں ان کی زندگی میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ انہوں نے باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے جاہ وحشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکر گاہ میں آئے تو انہیں ہمیشہ سردار فوج کی شناخت میں دقت پیش آئی ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا اور یہ دیکھ کر متحیر ہو گیا کہ پوری اسلامی فوج ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہے بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟لوگوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب خاک نشین ہے وہ یہ دیکھ کر بہت متعجب اور حیران ہوا۔

ان کو مساواتِ اسلامی کا حد درجہ خیال تھا،ان کے لشکر گاہ میں ایک معمولی سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سردار کو حاصل تھی۔ایک دفعہ ایک مسلمان نے دشمن کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن سپہ سالارِ اعظم نے فرمایا کہ ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خلق وترحّم تمام خلقِ خدا کے لئے تھا۔شام میں ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیساؤں کو بھی مرہونِ منت بنا رکھا تھا وہاں عیساؤں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گزرگاہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی لیکن انہوں نے عرضی پیش کر کے کم از کم سال میں ایک بار صلیب نکالنے کی اجازت لے لی اور حضرت ابوعبیدہ نے خوشی سے اجازت دے دی اس رواداری کا اثر یہ ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور خوشی خوشی جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر یقین ہے کہ جذبہ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچوں سے غیر معمولی شغف پیدا نہ ہونے دیا تھا۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا، قد لمبا، جسم نحیف ولاغر، چہرہ کم گوشت اور سامنے کے دو دانت خدمت رسول اللہ ﷺ میں قربان ہو گئے تھے، ڈاڑھی گھنی نہ تھی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد وازواج

آپ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی۔ ہند بنتِ جابر سے یزید اور ورجا سے عمیر پیدا ہوئے اور دونوں بغیر اولاد فوت ہوئے اور یوں آپ کی نسل آگے نہ چل سکی۔[1]

☆☆☆

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۳ جلد سوئم]

سیدنا ابو کبشہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب

آپ کا نام سلیم اور کنیت ابو کبشہ تھی۔ آپ کے نسب اور قبیلہ میں اختلاف ہے، بعض مکی، بعض فارسی بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک آپ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ آپ غلام تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو خرید کر آزاد فرمایا تھا۔[۱]

اسلام

ان کے اسلام لانے کا زمانہ متعین کرنا مشکل ہے۔ البتہ دعوت اسلام کے قریب زمانہ میں مسلمان ہوئے۔

ہجرت

مکہ مکرمہ میں تو صاحب مرتبہ اور خاندانی لوگ جو مسلمان ہو جاتے ان کی عزت و آبرو مشرکین کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی اور غلاموں کے حالات کا پوچھنا ہی کیا۔ ابو کبشہ بھی غلام تھے ان کا خدا کے علاوہ کوئی آسرا نہ تھا۔ اس لیے ہجرت کا حکم ملتے ہی مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہاں کلثوم بن ھدم کے ہاں ٹھہرے۔[۲]

جنگی زندگی

مدینہ آنے کے بعد تقریباً سب ہی غزوات میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔

---

۱ [سیر اعلام النبلاء جلد دوم]

۲ [ایضاً]

مشرکین کا اتہام

کفار قریش جس طرح آپ ﷺ کی شان اقدس میں اور طریقوں سے گستاخیاں کرتے وہیں ایک گستاخی یہ بھی کرتے کہ آپ ﷺ کو ابو کبشہ کا بیٹا کہتے چنانچہ ابوسفیانؓ نے قبول اسلام سے قبل ہرقل شاہ روم کے دربار میں جو گفتگو کی تھی اس کے بعد کہا کہ ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ بہت بڑھ گیا ہے۔[1] اس کی وجہ محدثین کرام کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ حضرت ابو کبشہ کے آباؤ اجداد میں کوئی شخص گزرا تھا اس کا نام بھی ابو کبشہ تھا۔ وہ تمام عرب کے خلاف ''شعری'' کی پرستش و پوجا کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ نے بھی تمام عرب کے خلاف بت پرستی کو چھوڑ کر ایک خدا کی دعوت دینا شروع کی تھی۔ اس لیے عربوں کی مخالفت کی وجہ سے آپ ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہا جاتا کہ ابو کبشہ کا دوسرا بیٹا پیدا ہوا ہے۔

وفات

آپ کا انتقال ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ھ، پیر کے روز ہوا[2] اور اسی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلطنت اسلامیہ کی خلافت سنبھالی تھی۔ گویا کہ ادھر سے ایک آفتاب رشد اپنی کرنیں بکھیرنے چلا تھا اور دوسری طرف ایک ماہ کامل غروب ہو رہا تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

☆☆☆

---

۱ [بخاری ص ۳ جلد اول]

۲ [اسد الغابہ ص ۲۸۲ جلد ۵]

﴿سیّدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی رفاعہ اور کنیت ابولبابہ تھی، قبیلہ اوس سے آپ کا تعلق تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔

رفاعہ بن عبدالمنذر بن زبیر بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام

آپ عقبہ ثانیہ میں اسلام لائے۔

غزوات

آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اکثر غزوات میں شرکت کی اور غزوہ بدر میں آپ کو خاص امتیاز حاصل ہوا۔

سواریوں کی کمی کی وجہ سے ہر اونٹ پر تین تین آدمی سوار ہوتے۔ حضرت ابولبابہ کے حصے میں جو اونٹ آیا وہ شاہ دو جہاں ﷺ کا اونٹ تھا اور آپ ﷺ بھی اس پر سوار ہوتے تھے۔ جب آپ ﷺ کے اترنے کی باری آتی تو یہ دونوں جاں نثارِ نبوت عرض کرتے کہ ہم پیدل چلتے ہیں آپ سوار رہیے۔ لیکن قاسم خیر وانصاف سرور کائنات ﷺ فرماتے: تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز ہوں۔

مدینہ منورہ سے ۳۶ میل کی مسافت پر ایک مقام روحاء ہے۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو مدینہ منورہ پر اپنا نائب مقرر کر کے واپس روانہ کیا لیکن جب غنیمت میں حصہ لگا تو ابولبابہ کا حصہ بھی دوسرے شرکاء کے برابر دیا گیا۔ اس کے علاوہ غزوہ قینقاع اور غزوہ سویق میں بھی آنحضرت ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ پر اپنا جانشین بنایا۔

۵ھ میں جناب نبی السیف ﷺ نے بنو قریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ کیا اور اکیس روز تک محاصرہ جاری رکھا۔

یہ لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے، ان کے قبیلے کا قبیلہ اوس سے حلف تھا یعنی یہ ایک دوسرے کے حلیف تھے، اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے انہوں نے حضرت ابولبابہ کو بلایا جو کہ اوسی تھے۔ یہ وہاں پہنچے تو انہوں نے بڑی تعظیم کی اور ان کے سامنے اصل مسئلہ پیش کیا کہ اگر ہم نیچے اتر آئیں تو کیا رسول اللہ ﷺ کچھ نرمی فرمائیں گے؟ یہودیوں کی عورتوں اور بچوں نے آہ و بکا شروع کی تو ان کا دل بھر آیا اور کہا کہ میرے خیال میں تمہیں آنحضرت ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لینا چاہیے ورنہ......! اور ساتھ ہی گلے کی طرف اشارہ کر دیا یعنی نہ ماننے کی صورت میں قتل کر دیئے جاؤ گے۔ بعد میں جب خیال آیا کہ خدا اور رسول ﷺ کی خیانت ہوگئی ہے تو طوطے اڑ گئے چنانچہ اپنے آپ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا اور مسجد نبوی میں آ کر اپنے آپ کو ستون کے ساتھ ایک بھاری زنجیر سے باندھ لیا اور عہد کیا جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہ کریں گے زنجیر نہ کھولوں گا، یہیں بندھا رہوں گا۔ کچھ عرصہ گزرا اور رسالت مآب ﷺ کو علم ہوا تو فرمایا: خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا، لیکن اگر وہ میرے پاس آ جاتے تو میں خود ان کے لیے استغفار کرتا۔ غرض اسی طرح سات آٹھ دن گزر گئے کہ نماز اور تقاضہ بشری کے علاوہ زنجیر سے بندھے رہتے اور ضرورت کے وقت لڑکی زنجیر کھول دیتی اور فراغت کے بعد پھر باندھ دیتی۔

سزا کے طور پر کھانا پینا ترک کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں کانوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور بینائی بھی خطرے میں تھی اور بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی کہ کھڑے کھڑے گر پڑتے حتیٰ کہ رحمت الٰہی کے نزول کا وقت قریب ہو گیا۔

جناب رسالت مآب ﷺ حضرت ام سلمہ کے مکان میں تھے کہ طلوع فجر سے پہلے ان کی توبہ کی آیت اتری۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا أَمَـٰنَـٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَ

اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ [انفال ۲۷.۲۸]

''ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ، اس کے رسول اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم اس کو جانتے ہو۔ خوب سمجھ لو تمہارا مال اور اولاد آزمائش ہیں اور خدا تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔''

آپ ﷺ مارے خوشی کے مسکرانے لگے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی۔ اضحک اللہ سنک، یارسول اللہ! کیا بات ہے آپ کیوں مسکرائے؟

فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ اتنا کہا تھا کہ یہ خبر تمام شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لوگ بھاگے کہ ابولبابہ کو کھول کر آزاد کردیں لیکن انہوں نے کہا جب آنحضرت ﷺ تشریف لائیں گے تو خود اپنے دست مبارک سے کھولیں گے چنانچہ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔[1]

مارے خوشی کے حضرت ابولبابہ گھر بار چھوڑ آئے اور عرض کی کہ اب آپ کے آستانے پر رہوں گا۔ نیز اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک تہائی صدقہ کرو۔[2]

۸ھ میں فتح مکہ ہوا اس میں عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے پاس تھا، آپ غزوہ تبوک میں بھی شریک تھے۔

اولاد

آپ کے دو لڑکے تھے، سائب اور عبدالرحمٰن۔

وفات

آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[3]

۱۔ [معارف القرآن ص ۲۱۱ جلد ۴] ۲۔ [مسند احمد ص ۴۵۳ جلد چہارم]

۳۔ [الاکمال مع مشکوۃ ص ۶۱۵]

فضائل ومناقب

آپ بہت جلیل القدر صحابی رسول تھے، مدرسہ صفہ کے طالب علم تھے اور برسوں آپ ﷺ سے براہ راست احادیث سننے کا شرف حاصل کیا لیکن آپ کی مرویات کی تعداد بہت قلیل ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے جمعہ کے روز نماز استسقاء ادا فرمائی۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کھجوریں کھلیانوں میں خشک کرنے کیلئے پھیلائی ہوئی ہیں۔ آسمان میں کہیں بھی بادل کا کوئی ٹکڑا موجود نہ تھا حضور ﷺ نے تین دفعہ بارش کے لئے دعا فرمائی اور آخری دفعہ فرمایا اے اللہ! تو اتنی بارش فرما کہ ابولبابہ کو اپنے کپڑے اتار کر اپنے کھلیان کا سوراخ اپنی دھوتی سے بند کرنا پڑے چنانچہ آسمان نے برسنا شروع کیا اور اس زور کی بارش ہوئی کہ لوگ ابولبابہ کے گرد جمع ہو گئے اور ان سے کہا کہ جب تک وہ ننگے ہو کر اپنے کھلیان کی نالی اپنی دھوتی سے نہ بند کریں گے، بارش نہیں رکے گی کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی دعا میں یہی فرمایا ہے چنانچہ جب ابولبابہ نے اپنی دھوتی سے نالی کو بند کیا تو بارش رک گئی۔[1]

اخلاق

آپ صحبت نبوی کے فیضان سے اخلاق نبوت کا عکس رکھتے تھے اور نہایت معمولی درجے کی باتوں میں بھی سنت رسول اور فرمان نبوت کا خیال رکھتے۔ مثلاً

حضرت عبداللہ بن عمر نے رسول اللہ ﷺ سے سانپ مارنے کی حدیث سنی تھی۔ اس بنا پر جہاں سانپ دیکھتے مار ڈالتے لیکن گھر کے سانپ اس سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا مکان ان کے گھر سے بالکل ملا ہوا تھا، ایک روز ابولبابہ نے ان سے کہا کہ اپنے گھر کی کھڑکی کھول دیں میں اس طرف سے مسجد جانا چاہتا ہوں، ابن عمر کھڑکی کھول رہے تھے کہ پٹ کھولتے ہی ایک سانپ نظر پڑا، ابن عمر مارنے کے لیے دوڑے تو ابولبابہ نے روکا اور فرمایا آپ ﷺ نے گھر کے سانپوں کو مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔[2]

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ص ۶۱۸ ج ۳] [2] [سیر الصحابہ ۲۰۷ ج ۳]

سیّدنا ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ

نام ونسب

کناز نام، ابو مرثد کنیت اور والد کا نام حصین تھا۔

سلسلہ نسب یہ ہے: کناز بن حصین ابن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلان بن غنم بن غنی۔[1]

اسلام وہجرت

ابو مرثد نے آغازِ دعوت میں اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت کا اعلان ہوتے ہی مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں بھائی چارہ کروادیا تھا۔

غزوات

غزوہ بدر، احد، خندق اور دوسری لڑائیوں میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ غزوہ بدر میں ان کے بیٹے مرثد بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ ابو مرثد اور ان کے بیٹے مرثد حمزہ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ مرثد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی غزوہ رجیع میں شہادت پائی۔[2]

مشہور بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے لیکن ان کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں ہی ان کے حلیف کی نگرانی میں تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کی خاطر اپنے حلیف کو اس خفیہ پروگرام کی اطلاع دینے کے لئے خط روانہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

۱۔ [اسد الغابہ مترجم ص ۶۲۹ جلد سوم]

۲۔ [سیر الصحابہ ص ۲۹۹ جلد دوم]

وحی کے ذریعے اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے چند سوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اس تحریر کی تلاش میں روانہ فرمائے جن میں ایک ابو مرثد بھی تھے۔

ان لوگوں نے ''خاخ'' کے باغ میں خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کرلیا اور جامہ تلاشی کے بعد خط برآمد کرلیا۔[۱]

حلیہ

آپ کا قد لمبا اور جسم پر بال بہت زیادہ تھے۔[۲]

وفات

آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۱۲ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۶ چھیاسٹھ سال کی تھی۔[۳]

روایات

آپ سے حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
''قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔''[۴]

☆☆☆

---

۱ [بخاری ص ۹۲۵ جلد دوم]

۲ [اسد الغابہ مترجم ص ۶۲۹ جلد سوم]

۳ [ایضاً]

۴ [ایضاً]

﴿سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کے اصلی نام کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، آپ کی کنیت ایسی مشہور ہوئی کہ اصلی نام چھپ کر رہ گیا، اصحاب سیر نے آپ کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں علامہ ذھبی نے ''عبدالرحمٰن'' نام کو سب سے زیادہ راجح کہا ہے۔

ھشام بن کلبی کے مطابق سلسلہءنسب یہ ہے، عمیر بن عامر بن ذی الشریٰ بن طریف بن عیان بن ھنیہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس، اصل خاندانی نام عبدالشمّس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمیر رکھ دیا تھا، کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک ''ہرہ'' بلی پالی تھی، شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے جاتا اور اس کے ساتھ کھیلتا لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھے ابوھریرۃ کہنا شروع کر دیا۔ آپ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا اور دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا۔[1]

قبل از اسلام

بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اس لئے فقر وافلاس بچپن کے ساتھی تھے، برۃ بنت غزوان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگے تو یہ پاپیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آ گئی۔

اسلام وہجرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمر دوسی ہجرت عظمی سے پہلے مکہ ہی میں

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۵۱۴ جلد سوم]

قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی تبلیغ کے لیے یمن لوٹ آئے تھے ان ہی کی کوشش سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوۂ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسّی خانوادوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے، لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، اس لیے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے، اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی خیبر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک پر مشرف با اسلام ہوئے، ان کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا، اتفاق سے اس وقت وہ دکھائی دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ تمہارا غلام آ گیا، عرض کیا وہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔ بیعتِ اسلام کے بعد دامن نبوی سے ایسے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔[1]

غزوات

غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی مگر اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا غزوۂ خیبر کے علاوہ ان سب میں مال غنیمت ملا، کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لئے مخصوص تھا۔

ماں کا قبولِ اسلام

دولت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھیں اس سعادت میں شریک کریں، مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں، ایک دن حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے شان نبوت میں ناروا الفاظ استعمال کیے، حضرت ابو ہریرہ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے ماں کے اسلام کے لیے طالب دعا ہوئے رحمت عالم نے دعا فرمائی، واپس ہوئے تو دعا قبول ہو چکی تھی والدہ اسلام کے لیے نہا دھو کر تیار ہو رہی تھیں، ابو ہریرہ گھر پہنچے تو ان کو اندر

---

[1] [سیر الصحابہ ص ۵۰ جلد دوم]

بلایا اور اَشْهَدُ اَنَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" کے سامعہ نواز ترانہ کے ساتھ ان کا استقبال کیا یہ فوراً الٹے پاؤں خوشی کی شدت سے روتے ہوئے کاشانہ نبوی پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! بشارت ہو آپ کی دعا قبول ہوئی، خدا نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی۔[۱]

عہد خلفاء

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا اس لئے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے حدیث کی اشاعت میں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا انہوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا اس دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا چنانچہ جب وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ پاس تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باز پرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی، عرض کی کہ گھوڑیوں کے بچوں، عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے، تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کو امارت قبول کرنے میں عذر کیوں ہے اس کی خواہش تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کی جو تم سے افضل تھے؟ عرض کی کہ وہ نبی اور نبی زادے تھے میں بیچارہ ابو ہریرہ امیمہ کا بیٹا ہوں۔

میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں، دوسرا یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں، تیسرا یہ کہ مارا جاؤں اور میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے۔[۲]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت خاموشی سے بسر کیا، البتہ آخر میں حضرت عثمان کے محصور ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی امداد اور اعانت پر آمادہ کرتے تھے اور محاصرہ

---

۱ [مسلم جلد دوم فضائل ابی هريرة]

۲ [اصابہ ص ۲۰۶ جلد ۷]

کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھے کچھ اور لوگ بھی تھے ان سب کو خطاب کر کے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ اس وقت ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہیے فرمایا تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے، اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا پتہ ملتا ہے اس کے بعد جنگ جمل، جنگ صفین وغیرہ میں کہیں آپ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنہ کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہ گوشہ نشین ہو گئے تھے، بہتوں نے تو آبادی چھوڑ کر تنہائی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے۔ ان فتنوں کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بناتا تھا۔

علالت

۵۷ھ میں مدینہ میں بیمار ہوئے بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے، خود مروان بن حکم بھی آتا تھا۔ بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد از جلد یہ دارالابتلا چھوڑ کر دارالبقا میں داخل ہو جائیں، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن عیادت کو آئے اور رواج کے مطابق ان کی صحت کے لیے دعا کی انہوں نے کہا خدایا اب دنیا میں نہ لوٹا پھر ابو سلمہ کو مخاطب کر کے بولے کہ وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ کے بدلہ زیادہ پسند کرے گا، اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی قبر پر گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے وہ اس میں دفن ہوتا۔

بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو یاد کر کے بہت روتے تھے لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ اس دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا بلکہ سفر کی طوالت اور زادراہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں اس وقت میں دوزخ و جنت کے نشیب وفراز کے درمیان

ہوں معلوم نہیں ان میں سے کس راستہ پر جانا ہوگا۔

وصیت

آخر وقت میں تجہیز وتدفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیص پہنانا اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر خیمہ نہ نصب کرنا اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے کر چلنا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا اگر میں صالح ہوا تو اپنے رب سے جلد ملاقات کروں گا اور اگر میں بدقسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے اتر جائے گا۔[1]

وفات اور تجہیز و تکفین

انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تعمیل کی گئی اور ولید نے نماز جنازہ پڑھائی، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ نماز کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں نے کندھا دیا اور جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورغریباں میں اس مخزن علم کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون، انتقال کے وقت ۷۸ سال عمر تھی۔ آپ دعا کرتے تھے یا اللہ مجھے ۶۰ھ سے بچالینا یہ دعا قبول ہوئی اور ۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔[2]

ترکہ

انتقال کے بعد ولید حاکم مدینہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر دی تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار آپ کے ورثہ کو دلوائے اور ولید کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔

---

۱ [ابن سعد جز ۴ ص ۱۶۲ بحوالہ سیر الصحابہ جلد دوم]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۶۳۱ جلد سوم]

۳ [ایضاً]

حلیہ

رنگ گندم گوں، شانے کشادہ، دانت آبدار تھے اور آگے دو دانتوں کے درمیان کی جگہ خالی تھی۔ زلفیں رکھا کرتے تھے اور بالوں میں زرد خضاب کرتے تھے اور داڑھی کو سرخ مہندی لگاتے۔[1]

لباس

لباس عموماً سادہ استعمال فرماتے تھے عموماً دو رنگین کپڑے ہوتے تھے کبھی کبھی کتان وغیرہ کے بیش قیمت لباس بھی استعمال فرمالیا کرتے تھے۔

فضل وکمال

حضرت ابوہریرہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو علم حدیث کے ستون سمجھے جاتے ہیں آپ بالاتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے لیکن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کثرت روایت میں ان پر بھی برتری حاصل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: کہ ابوہریرہ علم کا ظرف ہیں۔[2]

ذوق علم

آپ کو علم کی بڑی جستجو تھی اور ان کا ذوقِ علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ ان کی علمی حرص کا اعتراف ایک بار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا:

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کے دن کون خوش قسمت آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا؟ فرمایا کہ تمہاری حرص علی الحدیث دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔[3]

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص ۵۱۸ جلد سوم]

۲ [بخاری کتاب العلم]

۳ [مسند احمد بن حنبل ص ۳ جلد دوم]

عام طور پر لوگ حضور ﷺ سے زیادہ سوال کرتے ہوئے جھجھکتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایت کرتے ہیں! انہوں نے جواب دیا پناہِ خدا! ان کی روایت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ کرنا اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پوچھنے میں بہت جری تھے اس لیے وہ ایسے ایسے سوالات کرلیا کرتے تھے جو ہم نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چونکہ خود علم کے نہایت درجہ شوقین تھے اسی طرح وہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلبِ علم کا یہی درجہ پیدا ہو جائے چنانچہ ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کسی شئے سے؟ کہا وہاں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو! لوگوں نے پوچھا کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ کہا مسجد میں! لوگ دوڑے دوڑے مسجد میں گئے لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی اس لئے لوگ لوٹ گئے اور کہا کہ وہاں تو کچھ بھی تقسیم نہیں ہو رہا البتہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ تلاوتِ قرآن پاک میں مشغول ہیں، کچھ حلال وحرام پر گفتگو کر رہے ہیں بولے تم لوگوں پر افسوس ہے یہی تو تمہارے نبی ﷺ کی میراث ہے۔[۲]

حدیث میں آپ رضی اللہ عنہ کا مقام

علم وحدیث کے اس ذوق تلاش وجستجو نے ان کو علم حدیث کا بحر بے کراں بنا دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی بڑے حافظ الحدیث تھے فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ ہم میں سب سے زیادہ حدیث کے جاننے والے ہیں۔

امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ حدیث جاننے والے تھے اور حفاظِ حدیث میں سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے۔

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص۵۳۳ جلد سوم]

۲ [طبرانی الاوسط ص۲۲۱ جلد اول بحوالہ حیاۃ الصحابہ]

اعمش ابو صالح سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے۔

علامہ ذہبی اپنی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' میں رقم طراز ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ علم کا ظرف تھے اور صاحب فتوی آئمہ میں ایک بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابو ہریرہ اپنے ہمعصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی نے اتنا ذخیرۂ حدیث فراہم نہیں کیا جتنا کہ آپ نے کیا۔

کمال کی آخری حد یہ تھی کہ آپ کو خود اپنی ہمہ دانی کا یقینِ واثق تھا چنانچہ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں۔

ترمذی کی روایت میں صرف عبداللہ بن عمر کا استثناء ہے۔

کثرتِ روایت کا سبب

بہت سے اکابر اور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کثرتِ علم اور وسعتِ معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل نہ تھے۔ یہ خود اپنی کثرتِ روایت کے وجوہ واسباب بیان کرتے ہیں کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے حالانکہ مہاجر وانصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور انصار اپنی زراعت میں سرگرداں رہتے تھے میں محتاج آدمی تھا میرا سارا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے میں اس وقت بھی موجود رہا کرتا تھا۔ دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے میں ان کو یاد رکھا کرتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس توجیہ کی

تصدیق کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے چنانچہ ابو عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا ابو محمد! آج تک ہم کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ یمنی (ابو ہریرہ) اقوالِ نبوی کا بڑا حافظ ہے یا تم لوگ؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلا شبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنی ہیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دولت و جائداد والے تھے، ہمارے گھر بار اہل وعیال تھے ہم ان میں پھنسے رہتے تھے اور ابو ہریرہ مسکین اور متاع و مال کی زحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ ہم سب کو یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا کہ وہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے ہوئے ان کو بیان کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ خدمتِ نبوی میں حاضر باش رہتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بلا کر پوچھا تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو حالانکہ جو کچھ میں نے فعل نبوی دیکھا اور قول نبوی سنا وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا؟ عرض کی! آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر زیب و زینت میں مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار گزری، اس نے غصے میں آکر کہا کہ لوگ کہتے ہیں ابو ہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کچھ دن پہلے ہی مدینہ منورہ آئے تھے۔ بولے جب میں مدینہ آیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں تھے اس وقت میری عمر ۳۰ سال سے کچھ اوپر تھی۔ آپ کی وفات تک سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہا، میں اس وقت کی ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا، آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپ کی معیت میں حج کرتا اس لیے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں۔ خدا کی قسم! وہ جماعت جو مجھ سے

قبل آپ کی صحبت میں تھی وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی۔ان پوچھنے والوں میں عمرؓ،عثمانؓ،طلحہؓ،زبیرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ دعا بھی ازدیادِ علم کی مانگتے تھے کہ اے اللہ میرے علم میں اضافہ وزیادتی فرما۔زید بن ثابت کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر میں مشغول تھے اس درمیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ہم لوگ خاموش ہو گئے،آپ نے فرمایا اپنا کام جاری رکھو۔اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے دعا میں مشغول ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمین کہتے جاتے۔اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی خدایا جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں وہ بھی مجھے دے اس کے علاوہ ایسا علم عطا کر جو پھر نہ بھولے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آمین کہی اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو نہ بھولے،فرمایا وہ دوسی نوجوان (ابو ہریرہ) کے حصے میں آچکا۔[1]

اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسیانِ حدیث کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چادر پھیلاؤ!انہوں نے چادر پھیلا دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں دست مبارک ڈالے پھر فرمایا اس کو سینے سے لگالو!کہتے ہیں اس کے بعد سے میں پھر کبھی نہ بھولا۔

حدیث کی تحریر و کتابت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثوں کی روایت کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے ردوبدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے اسے قلمبند کر لیتے۔

فضل بن حسن اپنے والد حسن بن عمرو کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث سنائی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔حسن نے کہا میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے فرمایا اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوگی چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر

[1] [سیر اعلام النبلاء ص۵۲۲ جلد سوم]

لے گئے اور ایک کتاب دکھائی جس میں تمام حدیثیں درج تھیں اور اسی میں وہ حدیث بھی تھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اگر مجھ سے سنی ہے تو ضرور اس میں لکھی ہوگی۔

لیکن صحاح کی ایک اور روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص مجھ سے زیادہ حدیثیں اس لیے جانتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں گو نہیں لکھتے تھے مگر بعد میں لکھنا ضروری معلوم ہوا۔

امتحان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرتِ روایت کی بناء پر بعض اشخاص کے دلوں میں ان کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا اور اپنے کاتب کو تخت کے نیچے بٹھلا کر ان سے حدیثیں پوچھنا شروع کیں، یہ بیان کرتے جاتے تھے اور تخت کے نیچے چھپا ہوا کاتب لکھتا جاتا تھا دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا اس مرتبہ بھی انہوں نے بلاکم وکاست وہی جوابات دیئے جو ایک سال قبل دیئے تھے حتیٰ کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔[2]

اشاعتِ حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا فرمائی تھی اسی فیاضی کے فیض سے آپ اس دولت کے لٹانے اور مسلمانوں کے لئے وقف عام کرنے میں فیاضی سے کام لیتے تھے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان کے کانوں تک اقوالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچا دیتے۔ جمعہ کے

۱؎ [صحیح بخاری کتاب العلم]

۲؎ [سیر اعلام النبلاء ص۵۲۲ جلد سوم]

دن نماز سے قبل کا وقت حدیث کے لیے مخصوص تھا چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے تھے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام برآمد نہ ہوتا۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علم وعرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوا کرتی تھیں گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل احکام نبوی کے خلاف سرزد ہو جاتا تو فوراً ٹوک دیتے اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اس کو بتا دیتے۔ ایک مرتبہ ایک عورت سے ملے اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی پوچھا کہ تو مسجد سے آرہی ہے؟ اس نے کہا ہاں! پھر پوچھا خاص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز جو خاص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگاتی ہے اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک وہ اس کو دھو نہ ڈالے کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے۔ غرض اس عہد مبارک کی خواتین بھی اس خرمن علم کی خوشہ چیں تھیں۔ چنانچہ آپ کے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپ کے دامنِ کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث دو برتنوں میں محفوظ کی تھیں ایک ظرف و برتن کی احادیث پھیلائیں اگر دوسرے کو پھیلا دوں تو نرخرہ کاٹ ڈالا جائے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار، توحید کی امانت تھے، متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرارِ دین تھے لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیثیں تھیں۔ اشاعت علم فریضہء مذہبی اور عمل خیر ہے لیکن اگر اس مذہبی خدمت کے جذبے کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے تو یہی عمل شر بن جائے گا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جس جذبے کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے اگر سورۃ البقرہ

[1] [ایضاً ص ۵۳۰]

کی یہ آیت

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالْھُدٰی مِنْ م بَعْدِ مَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ اُولٰئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللَّاعِنُوْنَ﴾

''ان لوگوں پر جو ہمارے نازل کیے ہوئے کھلے ہوئے احکامات اور ہدایت کی باتوں میں جن کو ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں خدا بھی ان پر لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔''

نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے ان میں ۳۲۵ متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم میں ہیں۔ ۷۹ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں۔[2]

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسب سے آپ کے روات و تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ صحابہ اور تابعین ملا کر ان کے راویوں کی تعداد ۸۰۰ سے بڑھ جاتی ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ ان کی مرویات پر اعتراض کرتے تھے اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ ان کی روایتوں پر شک کرتے تھے بلکہ ان کے تفقہ پر ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو اعتراض تھا۔ اُن کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف حالات و واقعات کے لحاظ سے بعض باتیں ارشاد فرمائی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موقع محل دیکھے بغیر ان حدیثوں کو بیان کر دیتے ہیں جن سے احادیث کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے اور اس حیثیت

---

۱ [بخاری کتاب الفتن جلد دوم]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۵۳۴ جلد سوم]

سے ان کا اعتراض درست تھا کہ حضرت ابو ہریرہ فقہ الحدیث کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ آپ باوجود یکہ فقیہ تھے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کو اس حیثیت سے امتیاز حاصل نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر ملال کے بعد آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کو منصب افتاء پر فائز کیا گیا تھا لیکن آپ ایک محدث کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے اور محدث کا بے موقع روایات بیان کرنا محدث کے لئے کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

عام تعلیم

تعلیمی لحاظ سے آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بہت نمایاں تھے، عربی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت اپنا استغاثہ لے کر آئی کہ شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور وہ میرا لڑکا لینا چاہتا ہے۔ وہ عورت فارسی میں گفتگو کر رہی تھی اور ابو ہریرہ اس کو فارسی میں ہی جواب دیتے تھے۔[۱]

اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے چنانچہ تورات کے مسائل سے کافی واقفیت تھی۔ لکھنے میں بھی بھرپور مہارت رکھتے تھے، چنانچہ حدیث کا ایک مجموعہ بھی آپ نے مرتب کیا تھا۔

اخلاق وعادات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر میں دارالاسلام آئے اس حساب سے ان کو کل چار سال صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اگرچہ بظاہر یہ مدت کم معلوم ہوتی ہے لیکن اس حیثیت سے کہ اس مدت میں سفر وحضر، خلوت وجلوت میں ایک لحہ کے لئے بھی خدمتِ اقدس سے جدا نہ ہوئے اور اس قلیل مدت میں جو لمحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا۔ یہ چھوٹی مدت کیفیت کے اعتبار سے بڑی طویل مدت کے برابر ہو جاتی ہے اس ملازمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ پر تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت گہرا رنگ چڑھا تھا اور آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ بن گئے تھے۔[۲]

۱۔ [ابوداؤد جلد اول]

۲۔ [سیر اعلام النبلاء ص ۵۱۹ جلد سوم]

خوفِ قیامت

خشیتِ الٰہی اور خوف قیامت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاص وصف تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس خوف سے لرزہ باندام رہتے تھے۔ خوف خدا اور قیامت کے احتساب کے ذکر سے چیخ کر بے ہوش ہو جاتے تھے ایک بار شقیا اصبحی مدینہ آئے، دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابو ہریرہ ہیں! چنانچہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اس وقت حضرت ابو ہریرہ لوگوں سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کر رہے تھے۔

جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹا تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث سنایئے جس کو آپ نے ان سے سنا ہو، سمجھا ہو اور جانا ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسی ہی حدیث بیان کروں گا یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی کہ وہاں میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بے ہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی جہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہ تھا، یہ کہا اور چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے۔

شقیا اصبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لئے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے (۱) عالم قرآن، (۲) راہ خدا میں مقتول اور (۳) دولت مند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی وہ کہے گا ہاں خدایا! فرمائے گا تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا رات دن میں اس کی تلاوت کرتا تھا خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھے قاری کا خطاب دیں چنانچہ خطاب دیا جا چکا، پھر دولت مند سے سوال کرے گا کیا میں نے تجھ کو صاحب دولت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں خدایا! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے

کیا کیا؟ وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا۔ خدا فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے سو لوگوں نے (تجھے فیاض اور سخی) کہا۔ پھر وہ جس کو راہ خدا میں اپنی جان دینے کا دعویٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال ہوگا تو کیوں مارڈالا گیا؟ وہ کہے گا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا، خدا فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو چاہتا تھا کہ دنیا میں جری اور بہادر کہلائے سو کہا جا چکا۔ یہ حدیث بیان کر کے حضور ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ابو ہریرہ! سب سے پہلے انہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔[1]

عبادت وریاضت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عبادت سے خاص ذوق تھا شب بیداری آپ کا محبوب مشغلہ تھا خود بھی شب بیداری کرتے اور گھر والوں سے بھی شب بیداری کراتے تھے آپ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا ایک خود دوسری بیوی تیسرا خادم۔ یہ تینوں باری باری اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے ایک ختم کر کے دوسرے کو جگاتا، دوسرا تیسرے کو، اس طریقہ سے تینوں مل کر رات نماز میں گزار دیتے ہر مہینہ کے شروع میں تین روزے پابندی سے رکھتے تھے اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے تھے۔[2]

ارکان عبادت کو پوری شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے بلکہ شدتِ احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے نعیم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ مسجد کی چھت پر وضو کر رہے تھے میں نے دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے تھے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے اس لئے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اس کی چمک کو بڑھاؤ۔[3]

---

[1] [ترمذی ابواب الزہد]

[2] [مسند احمد ص ۳۵۳ جلد دوم]

[3] [ایضاً]

عکرمہ راوی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بارہ ہزار تسبیحیں روزانہ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں۔[۱]

مضارب بن جزء بیان کرتے ہیں رات کو میں نکلا کرتا تھا ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی قریب جا کر دیکھا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے، پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ کہا خدا کا شکر کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا میں برہ بنت غزوان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا اس کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں ہے۔[۲]

آپ تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح کرتے تھے جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھر لاتی تھی۔[۳]

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت انتہاء درجہ تک تھی ایک لمحہ کے لیے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے تمام مہاجرین وانصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں ایک موقع پر اس کا اظہار کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضور کا مشاہدہ جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ایک دن اُن کو لوگوں نے بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی انہوں نے محض اس لئے انکار کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے اس حال میں سدھار گئے کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔[۴]

---

۱ [ایضاً]

۲ [ایضاً]

۳ [ابوداؤد کتاب النکاح]

۴ [بخاری کتاب الاطعمہ جلد دوم]

محبت آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ذات نبوی کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری تقاضا یہ تھا کہ آلِ اطہار کے ساتھ بھی یہی تعلق تھا ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے حضرت حسن کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ اے خدا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والوں کو بھی محبوب رکھ اس کے بعد سے جب بھی حضرت ابو ہریرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔

عمیر بن اسحٰق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو کہا کہ اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولیے جو آنحضرت کا بوسہ گاہ تھا آپ نے کپڑا ہٹا دیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی جگہ بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔[1]

والدہ کی خدمت گزاری

حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان جہاں تک ہو سکے ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے جنہوں نے اس کو بچہ سے جوان بنایا، اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز و احترام اور خدمت گزاری کی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی میں کبھی حج نہیں کیا۔[2]

اظہار حق میں بے باکی

حق گوئی اور راست بازی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خاص جوہر تھا۔ اعلان حق میں وہ اس قدر جری اور دلیر تھے کہ بڑے سے بڑے شخص کو اس کی لغزش پر فوراً ٹوک دیتے تھے، آپ کا قیام مدینہ میں تھا مروان یہاں کا حاکم تھا اس لئے اکثر اس سے سابقہ پڑتا تھا ایک مرتبہ اس کے یہاں گئے تو تصویریں آویزاں دیکھیں تو فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] [مسند احمد ص ۴۸۸ جلد دوم]

[2] [مسلم جلد دوم، باب ثواب العبد واجرہ اذا نصح لسیدہ واحسن]

سے سنا ہے اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو میرے خالق کی طرح مخلوق بناتا ہے اگر دعوائے تخلیق ہے تو کوئی ذرہ، غلہ یا جو پیدا کرے۔[1]

مروان کے زمانہ امارت میں مدینہ میں چک (ہنڈی) کا رواج ہو چلا تھا حضرت ابو ہریرہ کو معلوم ہوا تو مدینہ جا کر مروان سے کہا تم نے سود حلال کر دیا؟ مروان نے اس سے برأت ظاہر کی فرمایا تم نے چکوں کو رائج کیا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت تک ممانعت کی ہے جب تک پہلا بائع اس کو ناپ نہ لے۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس تنبیہ سے مروان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے مروان بھی موجود تھا آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے صادق مصدوق ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔[3]

فقر وغنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دو (۲) دور تھے پہلا افلاس، تنگ دستی اور فقر وفاقہ میں بسر ہوا دوسرے میں جاہ وثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی۔ فقر وفاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا، مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے۔ لیکن رحمۃ للعلمین کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس زمانہ میں آپ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گذر گئے اور کچھ توجہ نہ کی اس کے بعد حضرت عمر کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو آپ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لے جا کر ان کو اور تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا۔[4]

---

[1] [مسند احمد جلد دوم]

[2] [مسلم باب المبیع قبل القبض جلد اول]

[3] [بخاری کتاب الفتن جلد دوم]

[4] [اصحاب صفہ ص ۱۹]

جب فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا اور خدا نے فارغ البال کیا اس وقت بھی فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی فارغ البالی کا اظہار بھی کیا چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دورنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا واہ ابو ہریرہ! آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو حالانکہ کل منبر نبوی اور حضرت عائشہ کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گزرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے کہ ابو ہریرہ کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک سے ہوتی تھی۔[1]

لیکن امارت کی حالت میں بھی آپ کی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی جب شہر میں نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا جس پر معمولی نمدہ کسا ہوتا چھال کی اس کی لگام ہوتی غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا جب کوئی سامنے آجاتا تو خود کہتے کہ راستہ چھوڑ دو امیر کی سواری آرہی ہے۔[2]

فیاضی

فقر و غنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض تھے لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑے کھلے دل سے کام لیتے تھے عبداللہ بن رباح راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جس میں ہم اور ابو ہریرہ بھی تھے رمضان کا زمانہ تھا ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے ان سب میں سب سے زیادہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دعوت کرتے تھے۔[3]

گو مہمان نوازی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام وصف تھا تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں زیادہ مہمان نواز ہیں۔

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۹ جلد سوم]

[2] [ابن سعد جز ۴ ص ۶۰]

[3] [مسند احمد جلد ۲ بحوالہ سیر الصحابہ ص ۶۶ جلد دوم]

[4] [ایضاً]

﴿سیّدنا ابوالیسر رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا نام کعب اور کنیت ابوالیسر تھی، نام اور کنیت دونوں سے یکساں مشہور تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے کعب بن عمرو بن عباد بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ الانصاری۔[1]

اسلام

شروع دور ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ عقبہ اولی میں آپ کی شرکت کا تذکرہ ملتا ہے۔

غزوات

آپ نے اسلام کے سب سے پہلے معرکہ غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ شرکت کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال کی تھی یہ خوش حال اور تونگر آدمی تھے۔ غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس (جو کہ اس وقت تک اسلام کی دولت سے بہرور نہ ہوئے تھے اور بدر میں کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے) کو انہوں نے ہی گرفتار کر کے قیدی بنایا تھا۔[2]

اس کے علاوہ بھی کارنامہ ہائے سرانجام دیئے اور حق و باطل کے اس پہلے معرکہ میں جرأت و دلیری کی مثال قائم کی۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق غزوہ بدر میں مشرکین کا جھنڈا ابوعزیز بن عمیر سے چھیننے والے یہی ابوالیسر تھے۔[3]

بدر کے علاوہ تمام غزوات میں بھی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ بعد میں معرکہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر لڑے۔

---

۱ [الاصابہ ص ۳۸۰ جلد ۷] ۲ [الاصابہ ص ۳۸۰ جلد ۷]

۳ [اسدالغابہ مترجم ۶۶۴ جلد سوم] ع محدث حاکم نے مستدرک میں ان کی کنیت ابوالبشر ذکر کی ہے۔

فضائل واخلاق

چشمہء نبوت کے شناوران اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل تھے جس کی نظیر لانے سے زمانے عاجز رہیں گے۔ شمع محمدی کے اس پروانے نے بھی چراغ نبوت سے اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا نور حاصل کیا تھا چنانچہ ایک دفعہ ایک آدمی کے گھر تشریف لے گئے کہ ان پر اس کا قرضہ تھا اور یہ تقاضا کرنے گئے تھے اس آدمی نے اپنی کنیز سے کہا کہہ دو وہ گھر پر نہیں ہیں ابوالیسر نے یہ بات سن لی اور کہا میں نے تمہاری بات سن لی ہے باہر آجاؤ اور اس صورت حال کی وضاحت کر دو۔ اس نے باہر آ کر کہا کہ میں اپنی غربت اور ناداری کی وجہ سے قرضہ ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ ابوالیسر نے کہا خدا کی قسم ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! تو ابوالیسر نے کہا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا، میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرضہ معاف کیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوگا۔[1]

ابوالیسر روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے میں نے کہا اے اللہ کے رسول اپنا دست مبارک دراز فرما کر مجھے بھی بیعت فرما لیجئے اور بیعت کی شرط سے بھی آگاہ فرما دیجئے کیونکہ آپ بیعت کی شرط کو زیادہ جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے بیعت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو اللہ جل جلالہ کی عبادت کرے گا اور نماز قائم کرے گا اور زکوٰۃ دے گا اور مسلمان کی خیر خواہی کرے گا اور مشرک سے جدائی اختیار کرے گا۔[2]

وفات

آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۵۵ھ میں ہوا اور آپ اس دنیا سے رخصت ہونے والے آخری بدری صحابی ہیں۔[3]

حلیہ

آپ کا قد ٹھگنا لیکن ایمان کی بلندی فلک بوس تھی اور پیٹ ذرا دراز تھا جب کہ دل تو نور ایمان سے لبریز تھا۔[4]

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ۶۶۵ جلد سوم]
[2] [مستدرک ص ۵۷۷ جلد سوم]
[3] [الاصابہ ص ۳۸۰ جلد ۷]
[4] [ایضاً]

﴿سیدنا بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ﴾

(مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نام ونسب

بلال نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام رباح تھا آپ کی والدہ کا نام حمامہ تھا۔ آپ حبشی نژاد غلام تھے لیکن پیدائش مکہ مکرمہ میں ہی ہوئی، بنی جمح ان کے آقا تھے۔

اسلام

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صورت کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھی تاہم آئینہ دل صاف شفاف تھا جو کہ اس وقت نورِ ایمان سے منور ہو چکا تھا جب وادی بطحا کی گوری مخلوق غرورِ حُسن وزعم شرافت میں ضلالت وگمراہی کی ٹھوکریں کھارہی تھی وہ چند بزرگ جو ابتداء میں اسلام لائے ان میں سے جن کو اظہارِ اسلام کا شرف حاصل تھا ان میں حضرت بلال بھی ایک تھے سچ ہے۔

ے ایں سعادت بزور بازو نیست　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء واستقامت

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم وستم کی آماجگاہ بنتا ہے۔ حضرت بلال اپنی ذاتی حالت کی وجہ سے اور زیادہ جور وجفا کا شکار ہوئے اور گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے صبر واستقلال کی آزمائش ہوئی تپتی ریت، جلتے ہوئے سنگریزے اور دہکتے ہوئے انگاروں پر ان کو لٹادیا گیا۔

مشرکین کے لڑکوں نے گلے میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا لیکن ان تمام روح فرسا اور جاں گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تپش بے قرار کر

دیتی تو کہتا بلال! اب محمد کے خدا سے باز آجا لیکن اس وقت بھی آپ کے دہن مبارک سے احد، احد، نکلتا [1]

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم وجفا کے نت نئے طریقے ایجاد کیے تھے وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں دیتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹنا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا تمہارا خدا لات اور عزیٰ ہے لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے احد احد ہی نکلتا، مشرکین کہتے کہ ہمارے کہے ہوئے کلموں کو دہراؤ تو حضرت بلال فرماتے کہ ان کلموں کو میری زبان اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی [2]

آزادی

حضرت بلال ایک روز حسب معمول وادی بطحاء میں مشق ستم بنائے جارہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور چالیس اوقیہ دے کر ان کو آزاد کروالیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ ابوبکر! تم اس میں مجھے بھی شریک کرلو۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب تو میں آزاد کرواچکا ہوں۔

ہجرت

وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہ کے مہمان بنے حضرت ابورویحہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی سے مواخاۃ ہوئی اوران دونوں میں شدید محبت ہوگئی تھی۔ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں حضرت بلال نے شامی لشکر میں شرکت کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت عمر نے پوچھا کہ بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ عرض کی کہ ابو رویحہ! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے اسکو کوئی نہیں توڑ سکتا۔

---

[1] [اسد الغابہ ص ۲۰۶ جلد ۱]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۴ جلد سوم]

موذنِ اسلام

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعائر اسلام اور دین متین کی اصولی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لئے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلانِ عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا۔ حضرت بلال سب سے پہلے بزرگ ہیں جو اذان کے لئے مقرر کیے گئے۔

حضرت بلال کی آواز نہایت دلکش اور بلند تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی۔ مرد اپنا کاروبار اور عورتیں شبستانِ حرم چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ باہر نکل آتے اور بچے اپنا کھیل کود چھوڑ کر ادب کے ساتھ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔

اور جب خدائے لایزال کے پرستاروں کا مجمع جمع ہو جاتا تو حضرت بلال آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر نہایت ادا کے ساتھ کہتے حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، نماز تیار ہے۔ اے اللہ کے رسول! غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال کی دل نشین اقامت بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لئے صف بصف کھڑا کر دیتی۔

اقبالؒ نے اپنے اشعار میں ان کی کیا عمدہ منظر کشی کی ہے ملاحظہ فرمائیے:

ے ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری　　کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی　　نماز اس کے نظارے کا ایک بہانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا　　خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

حضرت بلال کبھی مدینہ الرسول میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابومحذورہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ان کی قائمقامی کرتے اور عبداللہ صبح کی اذان کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ صبح کی دو اذانیں مقرر کی گئیں آخری اذان حضرت عبداللہ بن ام مکتوم دیتے تھے چونکہ وہ نابینا تھے اس لئے ان کو وقت کا درست اندازہ نہ ہوتا تھا جب لوگ ان سے کہتے کہ صبح ہو گئی ہے تو وہ اٹھ کر اذان دے دیتے۔[1]

اور اسی بنا پر رمضان میں حضرت بلال کی اذان کے بعد کھانا پینا جائز تھا کیونکہ

---

[1] بخاری ص ۸۶ ج ۱

آپ نے فرمایا تھا کہ بلال کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نمازِ صبح کی تیاری کریں۔ لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ ابھی کچھ رات باقی رہتی تھی۔[1]

لیلۃ التعریس

حضرت بلال سفر و حضر میں آپ ﷺ کے مؤذن تھے ایک دفعہ سفر درپیش تھا ایک جگہ رات ہوئی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہو تو بہتر ہوگا۔ ارشاد ہوا مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی۔ حضرت بلال کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا انہوں نے آگے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے۔ غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغولِ راحت ہوئے حضرت بلال نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور نوافل میں مشغول ہو گئے اور رات بھر نوافل پڑھتے رہے، فجر سے کچھ پہلے ذرا کمر سیدھی کرنے کے خیال سے کجاوہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے کہ اتفاق سے اس حالت میں آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک بیدار نہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے خوابِ راحت سے بیدار ہو کر ان کو پکارا اور فرمایا بلال: تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟ عرض کی یارسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ ارشاد ہوا بے شک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے اس کے بعد آپ ﷺ اٹھے اور تمام قافلہ کو لے کر آگے کی طرف روانہ ہوئے اور کچھ دور جا کر حضرت بلال کو اذان کہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرو چنانچہ اذان ہوئی اور یہ قضا نماز با جماعت ادا کی گئی۔[2]

غزوات

حضرت بلال تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوہ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو تہہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور حضرت بلال کی ایذا رسانی میں اس کا

---

[1] [سیر الصحابہ ص ۲۰۹ ج دوم]

[2] [مسلم ص ۲۳۸ جلد اول]

بہت بڑا ہاتھ تھا۔

حضرت بلال فتح مکہ میں بھی آپ ﷺ کے ہمرکاب رہے آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا شرف حاصل ہوا اور حکم ہوا کہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہیں۔ خدائے وحدہ لاشریک کی قدرت کہ وہ حرمِ قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیم نے خدائے لم یزل کی پرستش کے لئے آباد کیا تھا مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد ایک مرتبہ پھر حبشی نژاد اس غلام کی صدائے توحید سے گونج اٹھا۔

حضرت بلال نے خلافتِ صدیقی میں جناب رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد اپنے محسن وولی ابوبکر صدیق سے عرض کیا کہ آپ نے مجھے اپنی مصاحبت کیلئے آزاد کیا تھا یا اللہ کی رضا کیلئے؟ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضا کیلئے! تو بولے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پیامِ موت تک اسی عمل خیر کو وظیفہ حیات بنالوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بلال! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس پیری میں داغِ مفارقت نہ دو اس مؤثر فرمان نے حضرت بلال کو عہد صدیقی میں غزوات میں شریک ہونے سے روکے رکھا۔ حضرت بلال جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت قدر کیا کرتے تھے کیوں نہ کرتے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے محبوب جناب رسول اللہ ﷺ کے سسر اور نائب تھے اور اس کے علاوہ حضرت بلال کو ان جاں گسل مصائب سے نجات دلانے والے بھی تھے جو مشرکین مکہ نے اسلام لانے کی پاداش میں ان پر توڑ رکھے تھے ایک مرتبہ انہوں نے سنا کہ بعض لوگ انہیں حضرت ابوبکر پر فضیلت دیتے ہیں فرمانے لگے کہ میں ان سے افضل کیسے ہوسکتا ہوں حالانکہ میں ان کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہوں یعنی انہوں نے مجھے آزاد کروایا تو میں یہاں تک پہنچا۔

جہاد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی۔ خلیفہ دوم نے روکنا چاہا لیکن پیمانہ جوش

لبریز ہو چکا تھا اور جذبہ جہاد کسی طرح نہ تھمتا تھا۔ بے حد اصرار کیا یہاں تک کہ اجازت حاصل کر لی اور شامی مہم میں شریک ہو گئے۔ حضرت عمر نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو اس مقام جابیہ میں خوش آمدید کہنے والوں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے اور پھر بیت المقدس کے سفر میں بھی حضرت عمر کے ہمرکاب رہے ایک روز حضرت عمر نے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بے تاب ہو گیا، حضرت عمر اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل بھی بے اختیار رو رہے تھے غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔[1]

شام میں سکونت

حضرت بلال کو ملک شام کی سرزمین پسند آ گئی تھی انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی رویحہ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابولدرداء انصاری کے خاندان سے جو پہلے سے ہی یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا رشتہ مناکحت قائم کیا۔ یہ حضرات ان کے پاس گئے اور کہا کہ ہم دونوں کافر تھے خدا نے ہمیں ہدایت دی ہم غلام تھے خدا نے ہمیں آزاد کروایا، ہم محتاج تھے خدا نے ہمیں مال دار بنایا اب ہم تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کر دو گے تو الحمد اللہ! ورنہ کوئی شکایت نہیں۔

اسلام نے گورے، کالے، حبشی و عربی کی تفریق مٹادی تھی، انصار نے خوشی سے اس پیغام کو قبول کیا اور اپنی لڑکیوں سے ان کی شادی کر دی۔

حضرت بلال شام میں ایک عرصہ تک رہائش پذیر رہے، ایک روز رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا بلال! یہ خشک زندگی کب تک! کیا

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۷ ج ۳]

تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پر لطف افسانے یاد دلائے، عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر تازہ ہوئے اسی وقت مدینہ طیبہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشتہ رسول، حضرات حسنین کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ کے بعد اذان نہ دیں گے مگر رسول اللہ ﷺ کے نواسوں کی فرمائش نہ ٹال سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا پھر اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنا دیا، لیکن جب "اشھد ان محمد رسول اللّٰہ" پر پہنچے تو عورتیں بے قرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقان رسول کے رخسار آنسوؤں سے تر بتر ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پر اثر منظر پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

وفات

۲۰ ہجری میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب و آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیر آباد کہا، کم و بیش ساٹھ سال کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔[۱]

اخلاق

محاسن اخلاق میں حضرت بلال نے پایہ فضل و کمال کی بلندیوں کو چھوا تھا حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ "ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا ہے۔

حبیب خدا ﷺ کی خدمت گذاری ان کا مخصوص وصف حیات تھا ہر وقت بارگاہِ نبوی میں حاضر رہتے تھے آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جاں نثار کی طرح

۱۔ [سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۸ جلد ۳]

ہمراہ رہتے۔ عیدین واستسقاء کے موقع پر بلم لے کر آگے آگے چلتے۔ وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں ساتھ جاتے افلاس وناداری کے مواقع میں جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کے لئے رکھ لیتے۔ ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا بلال! یہ کہاں سے لائے ہو؟ عرض کی کہ میرے پاس دو[ع] صاع خراب قسم کی کھجوریں تھیں چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع کھجوریں دے کر ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا، اُف، اُف، ایسا نہ کرو یہ تو عین سود ہے اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوریں فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے۔[۱]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مصائب ومظالم کے متحمل ہوئے اس سے ان کی غیر معمولی استقامت کا اندازہ ہوتا ہے، تواضع وخاکساری تو ان کی فطرت میں داخل تھی لوگ ان کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا۔ صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد بنا دیا تھا ان کے ایک بھائی جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے ایک عربی خاتون کے پاس پیغام نکاح لے کر گئے، اس کے خاندان والوں نے کہا کہ اگر بلال تمہاری تصدیق کر دیں تو ہم بخوشی منظور کر لیں گے۔ حضرت بلال نے کہا صاحبو! یہ میرا بھائی ہے اور اخلاق ومذہب کے اعتبار سے بڑا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے شادی کر دو ورنہ انکار کر دو، انہوں نے کہا "بلال! تم جس کے بھائی ہو ہمیں اس سے نکاح کرنے میں کوئی عار نہیں اور نکاح کر دیا۔[۲]

مذہبی زندگی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن خاص اور مدرسہ صفہ کے طالب علم تھے اس بناء پر ان کو ہمیشہ خانہ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا۔ معاملاتِ دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے برابر تھا اور اسی وجہ سے عبادت اور شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا۔ عرب

۱ [بخاری ص ۳۱۱ جلد اول]
۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۳۰۱ جلد اول]

ع صاع ایک پیمانہ تھا جس کا وزن آج کل کے حساب سے ساڑھے تین کلو بنتا ہے۔

کے وہ قریشی سردار جو پورے جزیرہ عرب میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور جن کے سامنے عرب کے باعزت خاندان کی گردنیں جھکی رہتی تھیں وہ تو اسلام سے روگردانی کر کے ذلت وگمنامی کے غار میں جا گرے اور حبشہ کا یہ سیاہ فام غلام جن کی زندگی ایسی تھی کہ کوئی ان کو گلے لگانے کے لیے تیار نہ تھا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر وہ مرتبہ ملا کہ جنت میں ان کے قدموں کی آہٹ سنائی دی جانے لگی چنانچہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ بلال میں نے جنت میں آج رات تمہارے قدموں کی چاپ سنی ہے تم خیر کا کون سا عمل ایسا کرتے ہو جس سے تمہیں ثواب کی سب سے زیادہ امید ہے؟ عرض کی میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا البتہ وضو کرنے کے بعد نماز پڑھتا ہوں۔

نماز میں سب سے پہلے آمین کہا کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ ایمان کو اعمالِ حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ سیاہی مائل، سر کے بال گھنے خمدار اور اکثر سفید تھے۔

ازواج

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کی نہایت شریف ومعزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کروادیا تھا۔

بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداء کے خاندان میں بھی سسرالی رشتہ قائم ہوا لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔[۲]

---

۱ [ایضاً]

۲ [طبقات ابن سعد بحوالہ سیر صحابہ ص ۲۱۵ ج ۲]

﴿سیّدنا ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا نام ثابت اور کنیت ابوسعد تھی، ان کے والد کا نام یزید تھا اور دادا کا نام ودیعہ تھا اوران ہی کی طرف منسوب ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: ثابت بن یزید بن ودیعہ بن عمرو بن قیس بن جزی بن عدی بن مالک بن سالم۔

ابن مندہ کے بیان کے مطابق ان کے والد منافقین میں سے تھے اوران کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔

فضل وکمال

مدرسہ صفہ کے اس طالب علم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکتساب فیض کیا اور ذخیرہ احادیث میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔

''گوہ'' کے متعلق مشہور حدیث بھی ثابت بن ودیعہ سے مروی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک لشکر میں تھے ہم نے کچھ ''گوہ'' پائیں ان میں سے ایک گوہ ہم نے پکڑ کر بھونی اور میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اور سامنے رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لکڑی اپنے ہاتھ میں اٹھالی اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ مسخ کر کے جانور بنا دیا گیا تھا اور میں نہیں جانتا وہ کون سا جانور تھا؟ لہٰذا آپ نے نہ کھایا اور نہ ہی منع فرمایا۔[1]

غزوات

صاحب اسد الغابہ کے مطابق آپ کی غزوہ خیبر میں شرکت کا پتہ چلتا ہے۔[2]

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ص۳۳۹ ج۱]

[2] [ایضاً]

سیّدنا ثوبان بن بُجدَ د رضی اللہ عنہ

نام ونسب

ثوبان نام اور ابوعبداللہ کنیت تھی۔ والد کا نام بجدد یا جحد رتھا۔ آپ کا تعلق یمن کے قبیلہ حمیر سے تھا۔[۱]

غلامی

آپ کو گرفتار کرلیا گیا تھا اور غلام بنا کر مکہ مکرمہ لایا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرمادیا اور ان سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اپنے خاندان کے لوگوں سے جاملو اور اگر چاہو تو ہمارے اہل بیت میں سے ہوجاؤ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کو اپنے خاندان اور قبیلہ پر ترجیح دی اور اس شفیق ومہربان استاذ کے سایہ عاطفت کو اختیار کر کے مدرسہ صفہ کا طالب علم ہونے کا شرف حاصل کیا چنانچہ یہ سفر وحضر میں آپ کے ہمراہ رہتے اور علم دین سیکھتے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات حسرت آیات تک یہ جانثار مسلسل آپ کے ساتھ رہا۔[۲]

سفر شام

۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال پر ملال کے بعد علم دین کی اشاعت وغیرہ دیگر مصالح نے شام کی آب وہوا کا یارانہ مقدر کیا اور آپ ''رملہ'' میں رہائش پذیر ہوگئے۔ آپ کی ذاتی جائیداد میں ایک گھر ''مصر'' اور ایک ''حمص'' میں بھی تھا۔[۳]

---

۱ [اسد الغابہ ص ۳۵۷ جلد اول]

۲ [ایضاً]

۳ [ایضاً]

غزوات

آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں بھی شرکت کی اور بعد میں مصر کی فتح کے دوران بھی عسکری کارنامے سرانجام دیئے۔[۱]

فضل وکمال

آپ نے متعدد احادیث روایت کیں۔

مناقب

ابن السکن کہتے ہیں کہ میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر والوں کے لئے دعا کی تھی تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کے اہل میں سے ہوں؟ آپ نے خاموشی اختیار کی، میں نے پھر پوچھا تو تیسری مرتبہ میں آپ نے فرمایا: ہاں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کبھی کسی کے دروازے پر نہ کھڑے ہوگے اور نہ کسی دولت مند کے پاس مانگنے جاؤ گے۔[۲]

چنانچہ حضرت ثوبان اس کے بعد اس کا خصوصی اہتمام رکھتے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے لئے کون اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ لوگوں سے سوال نہ کرے گا میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں؟ حضرت ثوبان کھڑے ہوئے اور عرض کی میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں چنانچہ اس کے بعد آپ کسی سے کوئی چیز نہ مانگتے۔[۳]

وفات

آپ کی وفات حمص میں ۵۴ھ میں ہوئی۔[۴]

---

۱ [ایضاً]

۲ [الاصابہ ص ۵۲۸ جلد اول]

۳ [مرقاۃ ص ۳۶۴ جلد ۴]

۴ [اسد الغابہ ایضاً]

﴿سیّدنا حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی حجاج اور والد کا نام عمرو بن غَزِیَّة تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے، حجاج بن عمرو بن غزیہ بن ثعلبہ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم انصاری خزرجی۔ آپ خزرجی انصاری تھے لیکن پھر بنی مازن بن النجار میں جا ملے تھے۔[1]

روایات

علامہ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اصابہ'' میں ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث سننے کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کیں۔[2]

آپ کی بیان کردہ روایات جب دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کی جاتیں تو یہ حضرات حضرت حجاج کی تصدیق فرماتے چنانچہ آپ نے ایک روایت بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص (کسی پرندے) کے پر توڑ ڈالے یا (اس کو) لنگڑا کر دے وہ احرام سے باہر ہو جاتا ہے اور اس پر دوسرا حج فرض ہو جاتا ہے۔ راوی عکرمہ نے حجاج بن عمرو سے یہ حدیث سن کر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی کہ حجاج اس طرح روایت بیان کرتے ہیں تو ان دونوں حضرات نے فرمایا: حجاج نے سچ کہا یعنی واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ حدیث ہے انہوں نے اپنی طرف سے بیان نہیں کی ان سے کثیر بن عباس نے تہجد کے باب میں حدیث کی روایت بھی کی ہے۔[3]

---

۱ [اسد الغابہ مترجم ص ۵۲۲ جلد اول]

۲ [الاصابہ ص ۳۱ جلد دوم]

۳ [اسد الغابہ مترجم]

غزوات

آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے زمانے میں مروان کو مارا تھا یہاں تک کہ وہ گر پڑا تھا۔[1]

آپ جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک جنگ تھے اور لڑتے وقت لوگوں سے کہتے تھے: اے انصار کے گروہ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب ہم اپنے پروردگار سے ملیں تو اس سے کہیں کہ[2]

﴿اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَاءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾

[الاحزاب: ٦٧]

''اے رب! ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چوکا دی ہم سے راہ۔'' (ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

☆☆☆

---

[1] [الاصابہ ص ۳۱ جلد دوم]

[2] [اسد الغابہ مترجم ص ۳۱ جلد دوم]

﴿سیّدنا خباب بن الارتّ رضی اللہ عنہ﴾

نام و نسب

آپ کا اسم گرامی خباب اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ نسب نامہ یہ ہے، خباب بن الارتّ بن جندلہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد۔ زمانہ جاہلیت میں ہی غلام بنا کر مکہ مکرمہ میں فروخت کیے گئے۔

اسلام

حضرت خباب ان چھ خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہوں نے باغ نبوت کا پہلا پہلا پھل کھایا اور شروع میں ہی مسلمان ہو گئے۔ آپ، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زید بن ارقم کے گھر رہائش پذیر ہونے سے پہلے اسلام لا چکے تھے اور اپنے چھٹے نمبر پر اسلام لانے کی وجہ سے ''سادس الاسلام'' کہلائے۔[1]

آزمائش

جس زمانہ میں حضرت خباب اسلام لائے اس زمانے میں اسلام لانے کا مطلب تھا کہ یہ آدمی اپنی جان، عزت و ناموس کو قربان کر دے گا اور حقیقت میں بھی یہی تھا کہ جس کے اسلام لانے کا علم ہوتا اس کی نہ عزت محفوظ رہتی اور نہ گھر بار بلکہ جان بھی معرض خطر میں پڑ جاتی۔ حضرت خباب کو چشم نبوت کے سوتے سے وہ شراب عشق عطا ہوئی تھی کہ جس کا نشہ مصائب میں اور زیادہ مخمور کر دیا کرتا ہے۔

چنانچہ وہ بیانگ دہل اپنے اسلام کا اعلان فرماتے اور پھر بے تحاشا ظلم و ستم کا نشانہ بنتے۔ چونکہ آپ غلام تھے اور کوئی حامی و مددگار بھی نہ تھا لہٰذا کفار ان پر ظلم ڈھانے میں اپنی سی کر گزرتے اور انہیں کسی انتقام کا قطعاً کوئی خوف نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ ننگی پیٹھ

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۳۹۱ جلد سوم]

کر کے دہکتے انگاروں پرلٹا دیتے اور ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور اس وقت تک ان انگاروں پر بھونے جاتے جب تک کہ ان کی ہڈیوں کی رطوبت اور زخموں سے رسنے والا خون ان کو نہ بجھاتا۔

لیکن اس سختی کے باوجود زبان سے کلمہ حق ہی جاری رہتا۔ رحمۃ للعالمین اس کسمپرسی کی حالت میں دل جوئی فرماتے لیکن آقا اتنا سنگدل تھا کہ اس کو سرور دو عالم ﷺ کا اتنا سہارا دینا بھی ناقابل برداشت تھا حتیٰ کہ اس جرم کی پاداش میں لوہا آگ میں تپا کر ان کے سر کو داغا جاتا۔[1]

حضرت خباب نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سختی سے نجات عطا فرمائیں چنانچہ آپ ﷺ نے دست مبارک بارگاہ ایزدی میں بلند فرما کر یہ دعا کی۔

یا اللہ خباب کی مدد فرما۔

جب اس جسمانی سزا سے ان کی آتش انتقام نہ بجھتی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا یہ جب تقاضا کرتے تو وہ جواب دیتا کہ میں تمہارا قرض اس وقت تک نہ دوں گا جب تک تم محمد ﷺ کے ساتھ کفر وانکار کا معاملہ نہ کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا میں یہ انکار اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک تم مرو نہ اور مر کر پھر زندہ نہ ہو، عاص بن وائل تعجب سے کہتا اچھا کیا میں مر کر پھر زندہ ہونگا؟ اگر ایسا ہے تو بس تمہارا قرض بھی اسی وقت چکاؤں گا کیونکہ اس وقت میرے پاس مال اور اولاد ہوں گے۔

اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیات اتریں۔

﴿اَفَرَاَیْتَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَّ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا

---

[1] [اسد الغابہ ص ۱۰۶ جلد دوم]

فَرْدًا﴾ (مریم: ۸۲)

بھلا تو نے دیکھا اس شخص کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں کا اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد۔ کیا جھانک آیا غیب کو یا لے رکھا ہے رحمان سے عہد، یہ نہیں! ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اس کو عذاب میں لمبا۔[1]

ہجرت ومواخاۃ

خباب مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے پھر ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ ہجرت بھی آپ نے اپنی تکلیف اور مصائب کے خوف سے نہ کی تھی بلکہ خالصۃً لوجہ اللہ کی تھی چنانچہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خالصۃً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں اور خراش بن صمہ جو کہ تمیم کے غلام تھے، مواخات کروا دی تھی۔[2]

بیماری وفات

۳۷ھ میں کوفہ میں آپ مرض میں گرفتار ہوئے۔ علاج کروانے کے باوجود مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن فرمانے لگے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی دعا کرنے سے ممانعت نہ فرمائی ہوتی تو میں دعا کرتا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی اور کفن آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور فرمانے لگے: حمزہ کو پورا کفن بھی میسر نہ ہوا تھا، ایک معمولی سی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے، اگر پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پیر کھل جاتے، آخر میں سر ڈھانک کر پیروں پر اذخر نامی گھاس ڈال دی گئی۔[1]

---

[1] [قرطبی بحوالہ معارف القرآن ص ۵۵ جلد ۶]

[2] [سیر الصحابہ ص ۱۹۳ جلد دوم]

[3] [ابن سعد بحوالہ سیر الصحابہ]

کچھ لوگ عیادت کے لیے آئے اور کہا ابوعبداللہ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ کل کو اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے۔ یہ سن کر رقت طاری ہوگئی۔فرمایا: میں موت سے نہیں گھبراتا تم لوگوں نے ایسے لوگ یاد دلائے ہیں جو اس دنیا سے اجر کے مستحق ہو کر اٹھے مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے اخروی ثواب کے مقابلے میں دنیا نہ دے دی گئی ہو۔

وصیت اور وفات

کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر سے باہر دفن نہ کرتے تھے لیکن آپ کی وصیت کے موافق آپ کو شہر سے باہر دفن کیا گیا۔وفات کے وقت عمر مبارک ۷۳ برس کی تھی۔

فضائل ومناقب

حضرت علی جنگ صفین سے واپس آرہے تھے کہ ان کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ آپ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔

ذریعہ معاش

آپ اسلام لانے سے پہلے بھی تلواریں بنانے کا فن جانتے تھے اور یہی آپ کا ذریعہ معاش تھا۔اسلام کا ابتدائی دور تو بہت آزمائش وتنگی میں بسر ہوا لیکن آخر میں وہ فارغ البالی نصیب ہوئی کہ پھر کسی پیشے کو اختیار کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

ترکہ

وفات کے وقت چالیس ہزار درہم اپنے پیچھے چھوڑے۔

فضل وکمال

آپ نے بہت سی احادیث روایت کیں آپ کی مرویات کی تعداد ۳۳ ہے۔

مختلف صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے احادیث سن کر روایت کیں۔

آپ کو بھی مدرسہ صفہ کے باقی طلباء کی طرح اپنے استاذ ومربی جن کی ادائیں،

شریعت اور جن کا نطق وحی تھا، کے احوال اور الفاظ کی جستجو رہتی تھی حتیٰ کہ رات رات بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لاعلمی میں آپ کی نماز دیکھتے اور طریقہ عبادت پر غور کر کے محفوظ کرتے اور صبح اس کے متعلق سوالات کرتے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساری رات نماز پڑھی اور یہ دیکھتے رہے، صبح آ کر پوچھا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول! رات کو آپ کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا کہ اس جیسی نماز اس سے قبل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں فرمایا وہ امید و خوف کی نماز تھی۔ میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول: ایک دعا یہ تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس عذاب سے ہلاک نہ کرے جس سے سابقہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے۔ یہ دونوں دعائیں تو قبول ہو گئیں لیکن تیسری قبول نہیں ہوئی وہ تیسری دعا امت کے آپس کے جھگڑوں اور خونریزی سے متعلق تھی۔[1]

☆☆☆

[1] [مسند احمد بن حنبل بحوالہ سیر الصحابہ ص ۱۹۵ جلد دوم]

﴿سیّدنا خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

خبیب نام اور والد کا نام یساف تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ خبیب بن یساف بن عِنبۃ بن عمرو بن خدیج بن عامر بن جشم بن الحارث بن الخزرج۔ آپ کا تعلق بنوخزرج کے قبیلہ ''حارث'' سے تھا۔

اسلام

آپ غزوہ بدر تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب غزوہ بدر کے لیے نکلے تو حضرت خبیب کہتے ہیں میں اور میری قوم کے ایک اور آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جنگ میں شرکت کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے استفسار فرمایا کیا تم دونوں مسلمان ہو؟ خبیب کہتے ہیں ہم نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیا کرتے یہ کہہ کر آپ آگے تشریف لے گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حاضر خدمت ہوکر اسلام کا اعلان فرمایا اور جنگ میں شریک ہوئے۔

ہجرت

آپ کا تعلق انصار سے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو حضرت صہیب اور حضرت طلحہ آپ کے یہاں فروکش ہوئے۔

نکاح اور اولاد

مشہور منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بیٹی جمیلہ آپ کے نکاح میں تھیں۔ آپ کی اولاد مندرجہ ذیل ہے۔ عبداللہ، عبدالرحمٰن، انیسہ

وفات

آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

---

[1] [سیرت ابن ہشام ص ۲۶۰]

[2] [سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۲۱]

﴿سیّدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا نام زید اور کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سوتیلے (علاتی) بھائی تھے اور عمر میں ان سے بڑے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

زید بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط۔ والدہ کا نام اسماء تھا۔

اسلام وہجرت

آپ حضرت عمر سے سن میں بھی بڑے تھے اور ان سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے تھے جبکہ حضرت عمر کی سختیوں کی وجہ سے ان کے گھر میں اسلام کا نام لینا جرم تھا۔ آپ نے مہاجرین کے سب سے پہلے قافلے کے ساتھ ہجرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معن بن عدی عجلانی کے ساتھ مواخاۃ کروائی تھی۔[1]

غزوات

مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شریک ہوئے۔ پھر احد میں بھی شریک ہوئے۔ بہادری ودلیری کا یہ عالم تھا کہ زرہ پہننا باعث شرم تھا۔ حضرت عمر کے کہنے پر تھوڑی دیر کے لیے پہنی لیکن دل نے گوارا نہ کیا پھر اتار کر رکھ دی اور ننگے سینے دشمن کے سامنے ڈٹ کر لڑنے لگے۔ حضرت عمر نے پوچھا تو فرمانے لگے کہ تمہاری طرح مجھے بھی جام شہادت پینے کی تمنا ہے۔

احد کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت پر بیعت لینا شروع کی تو فدا کارانہ جاں بازوں میں حضرت زید نے بھی اپنا نام درج کروایا۔ اس

---

[1] [استیعاب ص۱۱۹۰ جلد ا بحوالہ سیر الصحابہ]

کے علاوہ خندق، اطاس اور حنین میں بھی برابر شریک رہے اور حجتہ الوداع کے موقع پر بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوں اور تم معاف نہ کر سکو تو فروخت کر ڈالو۔[1]

فتنہ ارتداد اور شہادت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتنہ ارتداد پیش آیا اور جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب نے خلافت اسلامیہ کے خلاف سرکشی شروع کی۔ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف لشکر روانہ فرمائے۔ ان میں آپ بھی نکلے اور بہت سے مرتدین کو جہنم واصل کیا۔

مشہور کمانڈر نہاد بن عنفوہ جس کے متعلق اس کے زمانے میں آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی، ان ہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔[2]

جنگ یمامہ میں اسلامی فوج کا علم آپ کے ہاتھ میں تھا، مسیلمہ کذاب کے لشکر نے ایک مرتبہ اس زور کا حملہ کیا کہ اسلامی لشکر پسپا ہونے لگا اور کچھ لوگ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت زید کا جوش اور بڑھ گیا اور قسم کھالی کہ جب تک دشمنوں کا منہ نہ پھیر دوں یا خود لڑتے لڑتے شہید نہ ہو جاؤں، نہ بولوں گا۔

آپ نے مسلمانوں کو للکارا کہ آنکھیں بند کر کے اور داڑھیں بھینچ کر دشمنوں کے لشکر میں جا گھسے۔ ساتھ ساتھ ہی زبان بارگاہ خداوندی سے توبہ ومعذرت میں مشغول تھی کہ خدایا میں تیری بارگاہ میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی پر معذرت خواہ ہوں۔ اسی حالت میں علم ہلایا اور دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھ گئے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کیا۔[3]

---

[1] [ابن سعد ص ۲۷۴ ج ۳]

[2] [استیعاب جلد ۱ بحوالہ سیر الصحابہ]

[3] [ابن سعد بحوالہ سیر الصحابہ ص ۲۲۲ جلد دوم]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غم

حضرت عمر ان کو بہت محبوب رکھتے تھے اور ان کی شہادت نے حضرت عمر کو بہت رنجیدہ کر دیا تھا جب کوئی مصیبت پیش آتی تو زید کی جدائی کا غم ہرا ہو جاتا اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ باد صبا سے زید کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی کسی لڑائی میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ متمم کو اپنے بھائی کے مرنے کا بہت غم تھا اور اس نے اس کے اوپر ایسا مرثیہ لکھا کہ سننے والے کو بیقرار کر دیتا۔ اتفاق سے حضرت عمر سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا: متمم! تمہیں اپنے بھائی کے مرنے کا کس قدر دکھ ہے؟ وہ کہنے لگا ایک مرض کی وجہ سے آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے جب سے بھائی قتل ہوا ہے۔ وہ آنکھ ایسی جاری ہوئی کہ آج تک نہیں رکی۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ رنج کی آخری حد ہے، کوئی جانے والے کا اس قدر غم نہیں کرتا، اس کے بعد فرمایا: خدا زید کی مغفرت کرے۔ اگر میں شاعر ہوتا تو زید رضی اللہ عنہ کا مرثیہ کہتا۔ متمم نے کہا: اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوتا تو میں کبھی اشکباری نہ کرتا۔ حضرت عمر کو تسلی ہوئی اور فرمایا اس سے زیادہ بہتر تعزیت میری کسی نے نہیں کی۔ [۱] لیکن بھائی کے ساتھ بے حد محبت ہونے کے باوجود ان کی شہادت کی خبر سن کر بجائے نالہ و شکوہ کرنے کے فرمانے لگے میرا بھائی دو نیکیوں میں مجھ پر سبقت لے گیا: مجھ سے پہلے اسلام لایا اور مجھ سے پہلے جام شہادت نوش کیا۔

حلیہ

قد بلند اور رنگ گندم گوں تھا۔

اولاد

آپ کی دو بیویاں تھیں لبابہ اور جمیلہ: لبابہ سے عبدالرحمٰن اور جمیلہ سے اسماء تھیں۔ [۲]

روایت حدیث

آپ سے متعدد اشخاص نے احادیث روایت کیں۔

---

۱ [استیعاب ص ۱۹۱ جلد اول]　　۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۵۲ جلد ۲]

سیّدنا سالم مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنہ

نام ونسب

سالم نام، ابوعبداللہ کنیت ہے اور والد کے نام میں اختلاف ہے بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل تھے، اصطخر ان ان کا آبائی وطن تھا حضرت ثبیتہ بنت یعار انصاریہ رضی اللہ عنہا کی غلامی میں مدینہ منورہ پہنچے انہوں نے آزاد کردیا تو حضرت ابوحذیفہ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اس لحاظ سے ان میں انصار ومہاجر کی دونوں حیثیتیں جمع ہوگئیں تھی۔[1]

وہ عموماً سالم بن حذیفہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابوحذیفہ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بھتیجی فاطمہ بن ولید سے ان کا نکاح کروا دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت اتری۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ [احزاب:۵] یعنی لوگوں کو اپنے نسبی آباء کے انتساب سے پکارو تو حضرت سالم بھی ابن کے بجائے مولی ابی حذیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت سالم جوان ہوئے اور قرآن نے منہ بولا بیٹا ہونے کا تعلق کالعدم کردیا تو حضرت ابوحذیفہ کو ان کا زنان خانہ میں آنا ناگوار ہونے لگا چنانچہ ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کی یارسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا لیکن اب یہ آیت نازل ہونے کے بعد ان کا آنا جانا ابوحذیفہ کو ناگوار گزرتا ہے! ارشاد ہوا: اس کو دودھ پلاؤ وہ تمہارا محرم ہوجائے گا غرض اس طرح وہ ابوحذیفہ کے رضاعی فرزند ہوگئے لیکن ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں یہ حکم صرف سالم کے لئے مخصوص تھا ورنہ جوانی میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔[2]

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۷۰ جلد سوم]

[2] [ابوداؤد کتاب النکاح]

اسلام وہجرت

حضرت سالم مکہ مکرمہ میں غالباً حضرت ابوحذیفہ کے ساتھ رہتے تھے دعوتِ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انہوں نے ابتداء ہی میں لبیک کہا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ مواخات کروا دی تھی ہجرت کے موقع میں ابوحذیفہ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچ کر عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن ماعض انصاری سے مواخات ہوئی۔[1]

غزوات

غزوہ بدر، احد، خندق اور عہد نبوی کی تمام جنگوں میں معرکۃ الآراء رہے۔ عہد صدیقی میں یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے۔ مہاجرین کا علم ان کے ایک ہاتھ میں تھا ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا کہ ہمیں تمہاری طرف سے اندیشہ ہے اس لئے ہم کسی دوسرے کو جھنڈا دیں گے تو فرمایا کہ اگر میں بزدلی دکھاؤں تو میں سب سے بدبخت حاملِ قرآن ہوں یہ کہہ کر نہایت جوش کے ساتھ حملہ کیا اور واقعتاً اپنے آپ کو سب سے بہتر حاملِ قرآن ثابت کیا۔ جنگ کے دوران ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا بایاں ہاتھ بھی راہ خدا میں نثار ہوا تو جھنڈے کو دونوں بازوؤں کی مدد سے سینے سے چمٹا لیا اور زبان پر یہ آیت جاری تھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]

"نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر اللہ تعالیٰ کے رسول کتنے انبیاء ایسے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا۔"

شہادت

زخموں سے چور ہو کر گرے تو پوچھا: ابوحذیفہ کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ وہ شہید

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۶۱ جز سوم

ہو گئے۔ بولے اس شخص کا کیا ہوا جو مجھ سے اندیشہ ظاہر کر رہا تھا؟ جواب دیا گیا وہ بھی شہید ہو گیا فرمایا مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا، ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر جب مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالم نے کہا افسوس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا اور اپنے لئے ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑے ہو گئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحہ حیات تک جانبازانہ شجاعت دکھاتے رہے اختتامِ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہید ملت کا سر اپنے منہ بولے باپ ابو حذیفہ کے قدموں پر تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون[۱]

فضل وکمال

حضرت سالم ان بزرگوں میں تھے جو طبقہء صحابہ میں فنِ قرأت کے امام و ماہر سمجھے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو یعنی ابن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے۔[۲]

اللہ تعالیٰ نے اس قدر حسین آواز دی تھی کہ جب آیاتِ قرآنی کی تلاوت فرماتے تو لوگوں پر ایک عالم محویت طاری ہو جاتا اور راہ گیر ٹھہر کر سننے لگتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہو گئی آپ ﷺ نے توقف کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگیں ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہو گئی۔ خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت ﷺ خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لائے دیکھا تو سالم مولی ابی حذیفہ قرآن پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا خدا کا شکر ہے اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا۔[۳]

حضرت سالم اپنی خوش الحانی اور حفظ قرآن کے سبب سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہایت توقیر و مرتبہ کی نظر سے دیکھے جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص ۰ ۷ جلد سوم]

۲ [بخاری]

۳ [الاصابہ تذکرہ سالم]

ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے حضرت سالم مسجد قبا میں ان کی امامت کرواتے تھے۔[۱]

وہ مسجد قبا کے امام تھے اور مہاجرین میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بڑے کبار صحابہ بھی شامل تھے اوران کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔

قرآن کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی شرف کا مالک بنا دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب آخری وقت آیا تو انہوں نے منصب خلافت کے متعلق لوگوں کو وصیت فرمائی اور فرمایا کہ اگر سالم یا ابوعبیدہ بن الجراح ہوتے تو میں ان میں سے کسی کو منتخب کر دیتا اور اس مسئلے کو شوریٰ میں پیش ہی نہ ہونے دیتا۔[۲]

اخلاق

حضرت سالم کے قبائے فضل پر اخلاق و محاسن کا طغرا نہایت خوشنما تھا۔ گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت، وفا شعاری، پارسائی اور جرأت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اہل حاجت کے لئے آپ کا دستِ کرم نہایت کشادہ تھا چونکہ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے متروکہ مال و اسباب میں سے ایک تہائی مال مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کی آزادی کے لئے مختص کر رکھا تھا اور ایک تہائی کی اپنے سابق آقاؤں کے لیے وصیت فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی سابق مالکہ ثبیتہ بنت یعار کو ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور بولیں میں نے صلہ کی امید کے بغیر ان کو آزاد کیا تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس حصہ کو بیت المال میں داخل فرما دیا۔[۳]

☆☆☆

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ایضاً]

۲ [ایضاً]

۳ [سیر الصحابہ ص ۴۴۶ جلد دوم]

﴿سیّدنا سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا نام سالم تھا، سلسلہ نسب یہ ہے: سالم بن عمر بن ثابت بن نعمان بن امیہ بن امرؤالقیس بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف۔ آپ مشہور صحابی خوات بن جبیر کے بھتیجے ہیں۔

غزوات

آپ غزوہ بدر سمیت تمام معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔[1]

فضائل

۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے تیاری کی ترغیب دی اور اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چندہ کی اپیل بھی کی چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق خوب حصہ لیا، تبوک مدینہ منورہ سے بہت دور تھا، پیدل چلنا بہت دشوار تھا اس لئے سواریوں کا انتظام کیا گیا، چند تنگ دست صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد سات (۷) تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی آپ ہماری بھی سواری کا انتظام فرمادیں تاکہ ہم بھی غزوہ میں شریک ہوسکیں۔ ان کی درخواست سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ (میرے پاس سواری نہیں جس پر تم کو سوار کروں) یہ سن کر ساتوں افراد رونے لگے اور غزوہ میں شرکت سے محرومی پر افسوس کرتے ہوئے چلے گئے۔

ان سات حضرات میں ایک سالم بن عمیر بھی تھے جو کہ اصحاب صفہ میں سے ہیں چنانچہ اللہ رب العزۃ نے سورۃ توبہ کی اس آیت میں ان حضرات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ص ۸۵۶ جلد اول]

﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ [توبہ: ۹۲]

''اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ اور الزام ہے جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آئے تھے کہ آپ ان کو سواری دیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جس پر تمہیں سوار کروں وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ اس رنج سے ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں۔''[1]

وفات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔[2]

☆☆☆

---

[1] [البدایہ بحوالہ اصحاب صفہ ص ۳۵]

[2] [اسد الغابہ مترجم ص ۸۵۶ جلد اول]

سیّدنا سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ

نام ونسب

آپ کا نام سائب اور کنیت ابو سہلہ تھی، آپ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سائب بن خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امرؤ القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب ابن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

آپ کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت عبادہ تھا اور آپ قبیلہ ساعدہ سے تعلق رکھتی تھیں۔[1]

غزوات

آپ غزوہ بدر میں شریک تھے اور حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں یمن کے حاکم تھے۔

وفات

آپ نے ۷۱ھ میں وفات پائی۔[2]

اولاد

خلاد نامی ایک لڑکا چھوڑا۔

فضائل ومناقب

آپ کی سند سے ۵ حدیثیں مروی ہیں اور بعض کو صحاح ستہ میں بھی نقل کیا گیا ہے۔[3]

---

۱ [سیر الصحابہ ص۴۲ جلد۳]

۲ [الاکمال مع مشکوۃ ص۵۹۸]

۳ [سیر الصحابہ ص ایضاً]

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نام ونسب

نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا مجوسی نام ''مابہ'' تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے ''سلمان الخیر'' لقب ملا اور آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے کہ مابہ ابن بوذ خشان بن مورسلان بن بیہودان بن فیروز بن سہرک۔[۱]

آپ اپنے آپ کو سلمان بن اسلام یعنی سلمان اسلام کا بیٹا کہتے تھے۔[۲]

قبل اسلام

آپ کے والد اصفہان کے ''جی'' نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار اور کاشت کار تھے ان کو حضرت سلمان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نہ نکلنے دیتے تھے آتشکدہ کی دیکھ بھال انہیں کے ذمہ کر رکھی تھی چونکہ مذہبی جذبہ ان میں شروع سے تھا اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا اور نہایت سخت مجاہدات کیے شب و روز آگ کی نگرانی میں مصروف رہتے حتی کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا کہ جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے۔[۳]

مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کی طرف میلان

ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی اس لئے زراعت کی نگرانی خود کرتے تھے

---

۱ [ابن سعد ج۴ ص۱۶۸]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص۲۲۲ جلد۳]

۳ [ایضاً]

ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغول تھے جس کی وجہ سے خود کھیت نہ جا سکے اور اس کی دیکھ بھال کے لئے سلمان کو بھیج دیا ان کو راستہ میں ایک گرجا ملا اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لئے گرجے چلے گئے نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے اچھا ہے۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سر چشمہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ شام میں! پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے باپ نے پوچھا اب تک کہاں رہے تو جواب دیا: کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھے ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا کہ وہ مذہب تمہارے مذہب کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔ سلمان نے جواب دیا بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس بات سے ان کے باپ کو خدشہ پیدا ہو گیا کہیں یہ خیال تبدیلِ مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو اس لئے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی اس لئے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ شام سے تاجر آئیں تو مجھے کہلا بھیجنا چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر دی گئی انہوں نے کہا جب واپس ہوں تو مجھے بتانا چنانچہ جب کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر دی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ جا ملے شام پہنچ کر دریافت کیا یہاں سے سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟ لوگوں نے بشپ کا پتہ دیا اس کو جا کر کہا تمہارا مذہب مجھے بہت پسند ہے اس لیے میں چاہتا ہوں تمہارا مذہب اختیار کر لوں چنانچہ مجھ کو اس مذہب میں داخل کر لو[1]

تبدیلِ مذہب

چنانچہ مجوسیت کے آتشکدہ سے نکل کر آسمانی بادشاہ کی پناہ میں آ گئے مگر یہ بشب بڑا بد اعمال اور بد اخلاق تھا لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا جب وہ دیتے تو اس کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کی بجائے خود لے لیتا اس طریقہ سے اس کے پاس سونے چاندی

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۲۳ ج ۳]

کے سات مٹکے جمع ہو گئے۔ حضرت سلمان اس کی حرص دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہوئے اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کے رکھ دیا لوگوں نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا انہوں نے لے جا کر اس چھپے ہوئے خزانہ کے پاس کھڑا کر دیا تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی کے نکلے عیسائیوں نے سزا میں اس کی نعش دفن کرنے کی بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کی اس کی جگہ دوسرا بشپ مقرر ہوا یہ بڑا عابد اور تارکِ دنیا تھا شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتا اس لئے سلمان رضی اللہ عنہ اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہتے جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس اتنا عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا اب آپ کا وقت آخر ہے اس لئے آئندہ کے لئے مجھے کچھ ہدایت کیجئے۔ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت بدل دیا ہے اور بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیرو کار ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔

موصل کا سفر

چنانچہ اس بشپ کی موت کے بعد وہ حق کی تلاش میں موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس پادری کے پاس پہنچے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھے ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی پیاس بجھاؤں اس نے ان کو ٹھہرا لیا پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری بھی درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا اس لیے سلمان رضی اللہ عنہ نے آئندہ کے لئے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ دیا۔[۱]

---

۱ ایضاً

نصیبین کا سفر

چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی یہ اسقف بھی پہلے دونوں کی طرح بڑا اسقف تھا سلمان رضی اللہ عنہ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آن پہنچا حضرت سلمان نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا تو اس نے عموریہ میں گوہرِ مقصود کا پتہ دیا۔

عموریہ کا سفر

چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عمّوریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر سابقہ پادری کا پیام سنایا اور اسکے پاس مقیم ہوگئے۔ کچھ بکریاں خریدلیں ان سے مادی غذا حاصل کرتے رہے اور صبر وشکر کے ساتھ اس پادری سے روحانی غذا حاصل کرنے لگے جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہوگیا تو حضرت سلمان نے اس کو اپنی ساری زندگی کی سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں اس لئے میرا کوئی سامان کرتے جائیں اس نے کہا بیٹا میں تمہارے لیے کیا سامان کروں آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے جس سے ملنے کا تمہیں مشورہ دوں البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریگستانِ عرب سے اٹھ کر دینِ ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا اسی کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لئے حرام سمجھے گا اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر

اس اسقف کے مرنے کے بعد سلمان عرصہ تک عموریہ میں رہے کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کروں گا وہ لوگ تیار ہوگئے اور زبان حال سے یہ شعر

؎ چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

غلامی

لیکن ان عربوں نے وادی القری میں پہنچ کر دھوکا دیا اوران کوایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر ڈالا یہاں کھجوروں کے درخت نظر آئے جس سے آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی ان کے آقا کا چچازاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا تو اس نے حضرت سلمان کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر

وہ آپ کو اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمان رضی اللہ عنہ غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے تلاش حق کی جستجو انہیں تسکین دے رہی تھی کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

؎ اسی سے ہوگئی تیرے غم کدہ کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو کسی کے آستان ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔

جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے اب ان کو مقصود ملنے کا پورا یقین ہو گیا تھا چنانچہ وہ دیدارِ جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو فگن ہو چکا تھا لیکن ظلم وستم کے بادلوں میں چھپا تھا سلمان کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے آخر انتظار کرتے کرتے وہ مبارک دن بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا

حرمان نصیب سلمان کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبحِ امید کا اجالا پھیلا یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدنیہ تشریف لائے سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آکر کہا خدا بنی قیلہ کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا صبر کا دامن چھوٹ گیا اور بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی، قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے زمین پر گر پڑیں اسی مدہوشی میں جلد زمین پر اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے تم کیا کہہ رہے تھے؟ آقا نے اس سوال پر گھونسہ مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض ہے؟ تم اپنا کام کرو اس وقت تو سلمان خاموش ہو گئے۔

اسلام

لیکن اب صبر کسے تھا، کھانے کی چیزیں پاس تھیں ان کو لے کر دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کی! میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں میرے پاس کچھ چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہوسکتا ہے؟ اس کو قبول فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا اور خود نوش نہ فرمایا اس طریقہ سے سلمان کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہوگیا کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرتا دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نوش نہیں فرمائی تھیں آج یہ ہدیہ قبول فرمائیں آپ نے قبول فرما کر خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا اسی طرح سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور با چشم نم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سامنے آؤ! سلمان نے سامنے آکر ساری سرگزشت سنائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام

حضرت سلمان اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہر مقصود سے دامن بھر کے آقا کے گھر واپس گھر آئے۔[1]

آزادی

آپ غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے جس کی بناء پر غزوہ احد و بدر میں شریک نہ ہو سکے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کرلو چنانچہ تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا آنحضرت ﷺ نے تمام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے انہوں نے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کردی سونے کی ادائیگی کا سامان خدا نے اس طرح کر دیا کہ کسی کو غزوہ میں مرغی کے انڈہ کے برابر سونا مل گیا آپ نے وہ سلمان رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور اس کا وزن ٹھیک چالیس اوقیہ نکلا چنانچہ غلامی سے جان چھڑا کر مستقل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔[2]

مواخاۃ

غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے اس وقت بالکل غریب الدیار تھے کوئی شناسا نہ تھا آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان کی ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مواخاۃ کرادی۔

غزوات

غزوہ بدر و احد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھی آزادی کے بعد

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۵۸ تا ۶۱ جلد اول]

[2] [ایضاً]

[3] [بخاری جلد دوم ص ۸۹۸]

پہلا غزوہ خندق تھا اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں کی عدمِ شرکت کی تلافی کر دی غزوہ خندق میں تمام عرب کا ٹڈی دل اس ارادہ سے اُمڈ آیا تھا کہ مسلمانوں کو بالکل نیست ونابود کر دے اور حملہ خود مدینہ پر تھا جس کے کسی سمت نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی۔ مقابلہ بڑا سخت تھا ایک قبائل عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر تھا دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ لیا، حضرت سلمان چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ اس بڑے لشکر کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے، مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر لینا چاہیے یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔[۱]

خندق کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ بنفس نفیس شریک تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا اور رجزیہ اشعار زبان پر جاری تھے۔[۲]

ذیقعدہ ۵ھ کو طرفین میں جنگ شروع ہوئی، عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینے کے بیچ خندق کی فصیل ہے۔ ۲۱، ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام لوٹ گئے۔

خندق کے علاوہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہ ہوا جس میں شریک ہو کر دادِ شجاعت نہ دی ہو۔[۳]

عہد صدیقی اور عراق

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہے اور غالباً عہد صدیقی کے آخر ایام یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انہوں نے عراق کی

---

۱ [ابن سعد جز ۴ ص ۴۷]

۲ [بخاری کتاب المغازی غزوہ خندق]

۳ [اسد الغابہ ص ۳۳۰ جلد دوم بحوالہ سیر الصحابہ]

اور ان کی اسلامی بھائی ابو درداء نے شام کی سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اقامت کے بعد ابو درداء کو خدا نے مال واولاد سے بہت نوازا انہوں سلمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ تم سے چھٹنے کے بعد اللہ نے مجھ کو مال ودولت اور اہل وعیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف حاصل ہوا انہوں نے جواب دیا کہ

"یادرکھو کہ مال اوراولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔" [1]

عہد فاروقی

سلمان رضی اللہ عنہ ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی مگر اصول اسلام ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

ایک ایرانی محل کے محاصرہ کے وقت حملے سے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا ہے تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم لوگ اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے برابر حقوق دیے جائیں گے اور انکا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔

تین دن تک برابر تبلیغ کرتے رہے جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کر دیا اور مسلمانوں نے محصور محل بزور شمشیر حاصل کر لیا۔ فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ہاتھ آئی جو وفات کے وقت کام میں لائے۔ [2]

---

[1] [اسد الغابہ]

[2] [سیر الصحابہ ص ۹۳ جلد ۲]

گورنری

حضرت عمر کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مقربینِ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دفعہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔[1]

علالت

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کو گئے تو سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: سلمان رونے کا کون سا مقام ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے خوش ہو کر دنیا سے گئے تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے، بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ سلمان نے کہا: خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے، رونا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں سعد کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا ایک بڑا پیالہ ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا اس کے بعد سعد رضی اللہ عنہ نے خواہش کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے تو فرمایا:

> ''کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد کرتے رہا کرو۔''

اسی بیماری کے دوران اور احباب نے بھی نصیحت وصیت کی خواہش کی فرمایا:

> ''تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔''

وقت آخر ہوا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگوائی اور اپنے ہاتھ سے پانی

---

[1] [مستدرک حاکم ص ۵۵۹ جلد سوم]

گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا جب لوگ تھوڑی دیر کے بعد گئے تو دیکھا کہ مرغِ روح مٹی کے پنجرہ سے چھوٹ کر شاخِ طوبیٰ پر پہنچ چکا تھا۔[1]

فضل وکمال

صفہ کے اس طالب علم کے وقت کا بڑا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا اس لیے آپ کے علوم ومعارف سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے مَبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا، اور وہ ایسا دریا تھے جو کنارے سے نا آشنا رہا۔ وہ ہمارے اہل بیت میں سے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے۔ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت میں اس طرح ان کا شمار ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربتِ اختصاص کی بناء پر اور اس لئے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا، ان کو اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل فرمالیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے ان کے کمال علم کے معترف تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ:

"چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ان چاروں میں ایک سلمان کا نام بھی تھا۔"[2]

ایک موقعہ پر خود زبان نبوت نے ان کے علم وفضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمان علم سے لبریز ہیں۔"

صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں تھے آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا آپ کی مرویات کی تعداد ۶۰ ہے، ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔[3]

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۴۶ جلد سوم]

۲ [ایضاً] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۲۳ جلد ۳]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوالطفیل رضی اللہ عنہ ابن عباس، اوس بن مالک اور ابن عجزہ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں گو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا علم بہت وسیع تھا تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہو سکی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائیں تھیں۔ لوگ ان کی تصدیق کے لئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ زیادہ بہتر جانتے ہیں، لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ وہ حدیث سلمان کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں نہ تردید۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: بعض اوقات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو غصہ میں کچھ کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کا دشمن بنا دو گے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اے اللہ اس میں خیر کر دینا پھر ان سے کہا تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ نہیں تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دوں گا۔[1]

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری سے ملاقات بھی کی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلمان دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں: کلام اللہ اور انجیل۔ آپ نے مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں سے نہیں سنے تھے بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے تورات میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔

عام حالات، تقرب بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہ

---

1. [ابو داؤد ص ۱۶۹ جلد دوم]

نبوی میں خاص تقرب حاصل تھا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوی کی پذیرائی میں حضرت سلمان کی ہمسری کر سکتے ہوں۔

غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین و انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں اور انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سلمان رضی اللہ عنہ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم ازواج کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہمارے حصوں کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے علی، عمار اور سلمان کی اور فرمایا جتنا سلمان جنت کا مشتاق ہے اس سے زیادہ جنت سلمان کی مشتاق ہے۔[۱]

آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض رفقاء کی وجہ سے رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیب، بلال اور سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلوار خدا کے دشمن ابوسفیان کی گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کی شان میں ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر بیان کیا آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا گویا خدا کو ناراض کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت نادم ہوئے اور آ کر ان بزرگوں سے معافی مانگی۔

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص ۶۳ جلد اول]

اخلاق وعادات

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست تھے اور نصرانیت کے زمانہ میں عابد وزاہد نصرانی تھے اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے ان کے اصلی فضل وکمال کا میدان یہی ہے۔

زہد وتقویٰ

ان کا زہد وورع اس قدر تھا کہ جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے اس کی ادنی مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ مل جاتا وہیں لیٹ جاتے ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنوانا چاہتا ہوں فرمایا: مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ مسلسل اصرار کرتا تھا اور یہ برابر انکار کرتے رہے آخر اس نے کہا آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا فرمایا وہ کیسا؟ عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے لگے اور لیٹیں تو پاؤں دیوار سے لگیں فرمایا: خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنادی۔

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا، دنیا کی رنگینیوں کو کبھی پاس نہ آنے دیتے تھے وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا بستر میں معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز وسامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا حال یہ ہے.......... یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی جب امارت کے عہدے پر فائز تھے اس وقت بھی آپ کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے اس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عباء تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے تھے اور آدھا بچھاتے تھے۔[1]

---

[1] [ابن سعد بحوالہ سیر الصحابہ ص ۹۸ جلد دوم]

رہبانیت سے اجتناب

مگر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ان کی زندگی راہبانہ نہ تھی مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق بھی پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ انکے اسلامی بھائی ابو درداء بہت بڑے عابد زاہد بزرگ تھے رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے تھے حضرت سلمان ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابو درداء کی بیوی کو بہت بری حالت میں دیکھا تو پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے کہا: کس کے لئے بناؤ سنگھار کروں؟ تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی حضرت ابو درداء جب گھر آئے تو ملنے ملانے کے بعد کھانا منگایا مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں فرمایا جب تک کہ تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا پھر رات کو حضرت سلمان ہی کے پاس لیٹے رہے اور سلمان ان کو دیکھتے رہے جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا آپ نے ابو درداء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمان تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔[1]

سادگی

حضرت سلمان کی تصویر حیات میں سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی۔ مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم کے تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پاجامہ ہوتا تھا ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر ''گرگ آمد گرگ آمد'' کہتے۔ ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان سے نکلے کہ بغیر زین کے ایک گدھے پر سوار تھے اور

---

[1] [ترمذی ابواب الزھد]

لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے اور ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں لڑکے اس حالت میں دیکھ کر پیچھے لگ گئے لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو؟ ایک مرتبہ فوج کے ایک دستہ کی سرداری سپرد ہوئی فوجی امارت کی شان وشوکت کا کیا ذکر ان میں تو معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہ امیر ہیں؟ ابوقلابہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سلمان کے ہاں گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں پوچھا خادم کہاں ہے؟ کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ دو دو کاموں کا بوجھ اس پر ڈالوں۔ اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکا ہو جاتا تھا ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لئے چارہ خریدا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے ان سے کہا: اس کو گھر تک پہنچا دو، راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچا دیں۔ یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا آپ تکلیف نہ کیجئے لیکن انہوں نے فرمایا اس میں مجھے نیت کا ثواب مقصود ہے میں اس بوجھ کو اب بغیر پہنچائے نیچے نہیں رکھ سکتا۔[1]

فیاضی

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا آپکو جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے ارباب علم کے بڑے قدردان تھے جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔[2]

---

۱ [سیر الصحابہ ص ۹۹ جلد دوم]

۲ [ابن سعد جز ۴ ص ۶۴]

صدقات سے اجتناب

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنی شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے۔

ایک مرتبہ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا فرمایا: تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوؤن کھلانا چاہتے ہو؟ آپ نے شدت احتیاط کی بنا پر ایسا کہا حالانکہ اس کا مانگا ہوا مال ان کے لئے صدقہ نہ رہ جاتا۔

حلیہ

بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔ آپ نے ۳۳ھ میں مدائن میں وفات پائی اور ۳۵۰ سال عمر پائی۔[1]

☆☆☆

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۴۷ جلد سوم]

سیّدنا صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

نام ونسب

آپ کا نام صفوان اور کنیت ابو عمرو تھی۔

سلسلہ نسب یہ ہے۔

صفوان بن وہب بن ربیعہ بن بلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، آپ دو مشہور صحابیوں سہل اور سہیل کے بھائی تھا۔ بیضاء آپ کی والدہ کا نام ہے اور انہی کی نسبت سے آپ کو صفوان بن بیضاء کہا جاتا ہے۔[1]

اسلام وہجرت

حضرت صفوان اور ان کے بھائی سہیل ارض مکہ میں مشرف با اسلام ہوئے اور ہجرت کی۔ اجازت ملتے ہی مدینہ منورہ تشریف لائے اور کلثوم بن ہرم کے ہاں اترے۔

غزوات

ہجرت کے بعد سب سے پہلے ایک سریہ میں شریک ہوئے اور پھر غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔[2] اور بعض روایات کے مطابق اسی غزوہ میں شہید ہوئے اور ایک روایت کے مطابق حضرت عمر کے زمانہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی۔ بعض روایات سے ۳۸ھ میں وفات کا علم ہوتا ہے۔[3]

---

۱ [الاکمال مع مشکوۃ ص ۵۹۶]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۱۶۹ جلد سوم]

۳ [ایضاً]

﴿سیّدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

صہیب نام اور ابو یحییٰ کنیت تھی، آپ کی یہ کنیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی تھی۔ والد کا نام سنان اور والدہ کا اصلی نام سلمیٰ بنت قعید تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: صہیب بن سِنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جزیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمر ی بن قاسط [1]

ابتدائی حالات

حضرت صہیب کا اصلی وطن ایک بستی تھی جو موصل کے قریب دجلہ کے کنارے پر واقع تھی۔ ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے عامل تھے۔ انہوں نے ابھی دنیا کی چند بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ رومی فوجوں نے اُبلّہ پر چڑھائی کر دی اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے۔ سِنان کے چمن زار پر اس گل کے گم ہونے سے خزاں آ گئی۔ ان کی بہن امیمہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش وجستجو میں دنیا کی خاک چھان ڈالی۔ تمام مجمعوں، میلوں اور موسمی بازاروں کا جائزہ لیا لیکن اس طفلِ گم گشتہ کا کہیں سراغ نہ ملا۔

وہ رومیوں میں ہی پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچا دیا اور ان سے عبداللہ بن الجد عان نے لے کر آزاد کر دیا۔ اور آپ مکہ میں اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے۔

---

[1] [اسد الغابہ ص ۳۶ جلد سوم]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۵۶ جلد سوم]

اسلام

مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہ بھی تحقیق کے لئے آستانہ نبوت پر حاضر خدمت ہوئے۔ اتفاق سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی اسی خیال سے آ رہے تھے، انہوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا تم کس ارادے سے آئے ہو؟ بولے پہلے تم بتاؤ! انہوں نے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہوں۔ بولے میرا بھی تو یہی مقصد ہے غرض ایک ساتھ حاضرِ خدمت ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ حضرت صہیب پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے صہیب روم کا پہلا پھول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور تیس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے جن میں سے اکثر نے مشرکین کے خوف سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

آزمائش واستقامت

حضرت صہیب گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی اور معاون نہ تھا تاہم غیرتِ ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے ابتداہی میں اپنے تبدیلِ مذہب کا اعلان کر دیا تھا جس کی وجہ سے طرح طرح کی مشقتیں جھیلنا پڑیں اور گونا گوں مصائب برداشت کیے لیکن صبر و استقامت کا دامن کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔[1]

ہجرت ومال کی قربانی

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سب سے آخری مہاجر تھے انہوں نے رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا تو مشرکین قریش نے نہایت شدت سے رکاوٹ کھڑی کی اور بولے تم ہمارے یہاں مفلس محتاج بن کر آئے تھے، مکہ میں دولت وثروت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لئے جاتے ہو؟ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا

---

1. [سیر اعلام ایضاً]

ترکش دکھا کر کہا اے گروہِ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں خدا کی قسم جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے۔ اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو بتاؤ کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضا مندی ظاہر کی چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے مال و دولت کے عوض متاعِ ایمان لئے مدینہ منورہ پہنچے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت تھے۔ کھجوروں کا دور چل رہا تھا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر کھجوروں پر ٹوٹ پڑے چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ صہیب کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صہیب تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو؟

حضرت صہیب نہایت خوش مزاج تھے بولے میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ (کی طرف) سے کھا رہا ہوں۔ اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اختیار ہنس پڑے۔

جب بھوک کی شدت دفع ہوئی تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھلا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے آپ نے باوجود وعدہ کے مجھے شریکِ سفر نہ بنایا؟ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے اکیلا پا کر روک لیا آخر کار میں تمام مال و دولت اور اپنی متاع و ثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا ہوں۔ ارشاد ہوا ابو یحییٰ! تمہاری تجارت پُر منفعت رہی اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾

[البقرہ: ۲۰۷]

"لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی

جانیں بیچ دیتے ہیں۔

حضرت صہیب مدینہ میں حضرت سعد بن خیثمہ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن الصمۃ انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔[1]

غزوات

آپ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ غزوہ بدر، اُحد، خندق اور دیگر تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب رہے، عالمِ پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت مزے سے اپنی جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے۔

سہ روزہ خلافت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے نہایت حسنِ ظن رکھتے تھے اور خاص لطف و محبت سے پیش آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ صہیب رضی اللہ عنہ ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں صہیب ہی امامت کا فرض انجام دیں، چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے تین دن نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرضِ خلافت کو سرانجام دیا۔[2]

وفات

۳۸ھ میں پیمانہ ء حیات لبریز ہو گیا اس وقت آپ کا سن مبارک ۷۳ تہتر برس کا تھا اور بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ بعض نے آپ کی عمر ۸۴ سال بیان کی ہے۔[3]

اخلاق

حضرت صہیب اخلاق کے پیکر تھے اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرچشمہ ء اخلاق

---

[1] [سیر الصحابہ]

[2] [اسد الغابہ ص ۳۳ جلد سوم]

[3] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۵۸ جلد سوم]

سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا اور اسی بنا پر ان میں تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہو گئے تھے۔ حسنِ خلق، فضل وکمال کے ساتھ حاضر جوابی، خوش مزاجی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پرلطف بنا دیا تھا۔ مہمان نوازی، سخاوت وغرباء پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا مجھے تمہاری تین باتیں ناپسند ہیں: ایک یہ کہ تم نے اپنی کنیت ابو یحییٰ قرار دی حالانکہ یہ ایک پیغمبر کا نام ہے اور تمہاری اس نام کی کوئی اولاد نہیں، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو۔ حضرت صہیب بولے یہ کنیت میری نہیں رسول اللہ ﷺ کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس میں میرے عمل کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

﴿خِيَارُكُمْ مَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ رَدَّ السَّلَامَ﴾

''تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے''

اور تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ میں درحقیقت عرب ہوں چونکہ رومیوں نے بچپن ہی میں مجھے غلام بنا کر اہل وعیال سے جدا کر دیا تھا اس لئے میں اپنے خاندان وقوم کو بھول گیا ہوں۔[1]

حلیہ

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے بال گھنے تھے، زمانہ پیری میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے، زبان میں لکنت تھی ایک دفعہ وہ اپنے غلام یحنس کو باغ میں یاناس یاناس کہہ کر پکار رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو تعجب سے فرمایا ان کو کیا ہو گیا ہے کہ لوگوں کو پکار رہے ہیں؟ (ناس عربی میں لوگوں کو کہتے ہیں۔) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ وہ لوگوں کو کب پکارتے ہیں وہ تو اپنے

---

[1] [ایضاً]

غلام تحسنس کو بلاتے ہیں لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔[۱]

فضائل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے اس کو چاہئے کہ صہیب رضی اللہ عنہ سے ایسے محبت کرے جیسے ماں اپنے بچے سے کرتی ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صہیب (اسلام لانے والے) پہلے رومی ہیں مجاہد سے روایت ہے پہلے پہل جن لوگوں نے اسلام کا اظہار کیا وہ سات لوگ تھے جن میں صہیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

روایات

ذخیرہ حدیث میں آپ سے تقریباً ۳۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے تین حدیثیں امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہیں۔[۲]

☆☆☆

---

[۱] [اسد الغابہ ص ۳۲ جلد سوم]

[۲] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۵۸ جلد سوم]

﴿سیّدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی عبداللہ اور کنیت ابو یحییٰ تھی۔ آپ کا تعلق قبیلہ قضاعہ سے ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن انیس بن اسعد بن حرام بن خبیب بن مالک بن غنم بن کعب۔ آپ کے سلسلہ نسب میں سے گیارہویں پشت کے لوگ قبیلہ جہینہ میں مل گئے تھے اسی سبب سے یہ لوگ جہنی کہلائے، آپ کو بھی اسی وجہ سے جہنی کہا جاتا ہے۔

اسلام اور ہجرت

عقبہ ثانیہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مکہ مکرمہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی اور وہیں اقامت اختیار کرلی۔ پھر مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اس لیے آپ کو مہاجری انصاری بھی کہتے ہیں۔ آپ اپنے جوش اسلام میں ایک نمایاں نام رکھتے تھے۔ چنانچہ شروع میں ہی مدینہ منورہ آتے ہی حضرت معاذ بن جبل کے ہمراہ جا کر بنوسلمہ کے بت توڑے تھے۔[1]

غزوات

آپ بدر اور احد کے بعد غزوات میں شامل ہوئے، خلد بن نبیح عنبری اسلام کا سخت دشمن تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آپ نے ہی اسے واصل جہنم کیا تھا۔[2]

وفات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا اور حضرت ابوقتادہ صحابی رسول کی

---

[1] [اسد الغابہ ص ۱۲۰ جلد ۳]

[2] [سیر الصحابہ ص ۲۲۹ جلد سوم]

وفات کو پندرہواں دن تھا کہ آپ کی بیماری کا سن کر حضرت ابوقتادہ کی صاحبزادی آئیں اور کہا کہ چچا! ابا جان کو (عالم برزخ میں) جا کر میرا اسلام پہنچایئے گا۔ اس کے بعد جان قفس عنصری سے پرواز کر گئی یہ ۵۴ھ کا واقعہ ہے۔

اولاد

آپ نے مندرجہ ذیل اولاد چھوڑی۔

عطیہ، عمرو، ضمرہ، عبداللہ، خلدۃ

فضل ومنقبت

ذخیرہ احادیث میں آپ سے مروی احادیث کی تعداد 24 ہے۔ لیکن اس سے ان کے دامن فضل پر کوئی داغ نہیں پڑتا۔ اس سے بڑھ کر اور شرف کیا ہوسکتا ہے کہ خود صحابہ کرام ان سے علم حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس حاضر ہوتے۔ آپ غزہ میں قیام پذیر تھے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی صرف ایک حدیث سننے کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ ایک ماہ کی مسافت طے کر کے ان کے پاس پہنچتے تھے۔[1]

اخلاق وعبادات

آپ نہایت عبادت گزار تھے لیکن آپ کا مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لیے روزانہ آنا جانا دشوار تھا۔ ایک مرتبہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ لیلۃ القدر کی کوئی تعیین کر دیجئے میں رات مسجد میں گزارنا چاہتا ہوں لیکن روزانہ آنا مشکل ہے۔ آپ نے ان کے لیے ۲۳ ویں شب مقرر کی اور آپ نے اس رات تشریف لا کر شب بیداری کی۔ اس مناسبت سے اس رات کا نام اہل مدینہ نے لیلۃ الجہنی رکھ لیا۔[2]

---

[1] [بخاری ص ۱۷ ج ۱]

[2] [اسد الغابہ ص ۱۲۰ جلد ۳]

﴿سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔
شجرہ نسب یوں ہے، عبداللہ بن مسعود بن افل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ حضرت عبداللہ کے والد زمانہ جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے۔[1]

ابتدائی حالات

ایام جاہلیت میں بچپن کا زمانہ عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا یہاں تک کہ امراء وشرفاء کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے گویا یہ ایک درس گاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راست بازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا۔
مکہ میں جب توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہ اسی درس گاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے۔[2]

اسلام

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مونس وہمدم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرف سے گزرے جہاں یہ بکریاں چرارہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو ہماری پیاس بجھا دو بولے میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں (کیوں کہ بچے دینے سے پہلے بکری

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ص ۳۶۲ جلد دوم]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۰۷ جلد ۳]

کے تھنوں میں دودھ نہیں اترتا) عرض کی ہاں! اور ایک بکری پیش کی آپ نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہوگیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر پیا اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھن سے فرمایا: خشک ہو جا! اور وہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ آیا۔

اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دل پر بے حد اثر ڈالا چنانچہ حاضر ہو کر عرض کی مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے۔ آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا کہ تم تعلیم یافتہ بچے ہو۔ غرض اس روز سے وہ معلمِ دین مبین کی شاگردی میں داخل ہو گئے اور بلا واسطہ اس مَہبط وحی والہام سے ستّر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک نہ تھا۔[1]

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ بارگاہ اقدس میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا۔

جوشِ ایمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں ایمان لائے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کسی نے اعلانیہ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی۔ چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے جمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا خدا کی قسم! قریش نے اب تک کسی کو بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا یہ نغمہ توحید وصداقت ان مشرکین کے کانوں میں بھی پڑنا چاہیے۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے گا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا کہ تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں اس کام کے لئے تو ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور اس کی حمایت کی وجہ سے قرآن پڑھنے والا مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے لیکن حضرت عبداللہ بن

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ایضاً]

مسعود رضی اللہ عنہ نے جوشِ ایمان سے لبریز ہوکر فرمایا: مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے۔

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ مشرکین قریش اپنی انجمنوں میں حاضر تھے اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہوکر سازِ توحید پر ضرب لگائی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد الرحمن علم القران کا سحر آفرین راگ چھیڑا۔۔ مشرکین نے تعجب سے سن کر پوچھا کہ ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے کسی نے کہا کہ محمد پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے مشتعل ہوکر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا۔ جس طرح پیٹرول کے چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ کا شعلۂ ایمان اس ظلم وتعدی سے بھڑک اٹھا۔ مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔ حضرت عبداللہ جب اس فرض کو انجام دے کر شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب کے پاس واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو نہ جانے دیتے تھے۔ بولے خدا کی قسم! دشمنانِ اسلام آج سے زیادہ میری نگاہ میں کبھی ذلیل نہ تھے۔ اگر چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن مجید کی تلاوت کروں! لوگوں نے کہا: بس جانے دو اسی قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے اونچی آواز کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔[1]

ہجرت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جوش وغیرتِ ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو ان کا دشمن بنا دیا یہاں تک کہ ان کی مسلسل ایذاء رسانیوں سے تنگ آ کر دو دفعہ سر زمین حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف معیتِ رسول میں کی وہاں پہنچ کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کروا دیا تھا اور مستقل سکونت کے لئے حضرت عبداللہ کو مسجد نبوی سے متصل ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا تھا۔[2]

۱؎ [اسد الغابہ ص ۲۶۲ ۳ جلد ۳]

۲؎ [سیر الصحابہ ص ۲۲۷ جلد دوم]

غزوات

حضرت عبداللہ تمام مشہور اور اہم جنگوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے۔غزوہ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے سرخیل کفار ابوجہل بن ہشام کو تہ وتیغ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لائے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور دیکھا تو ابھی کچھ جان باقی تھی، اس کو ڈاڑھی سے پکڑا اور پوچھا ابوجہل تو ہی ہے؟[1]

غزوہ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ مکہ مکرمۃ سے واپسی پر راستے میں غزوہ حنین پیش آیا اس جنگ میں مشرکین اس طرح یکا یک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہوگئے اور دس ہزار کی جماعت میں سے صرف اسی ۸۰ اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار اپنی فدائیت کے جوہر دکھاتے رہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہی جانثاروں میں تھے۔ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے جب سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی (۸۰) قدم تک پیچھے ہوگئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہوگئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھوڑ کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا اسی حالت میں آپ ایک دفعہ زین سے جھکے تو میں (ابن مسعود) نے کہا: آپ سربلند رہیں خدا نے آپ کو رفعت عطا فرمائی ہے۔فرمایا: مجھے ایک مشت خاک اٹھا دو! میں نے خاک اٹھا دی تو آپ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہوگئیں پھر ارشاد ہوا مہاجرین وانصار کہاں ہیں؟ میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ ان کو بلا لاؤ میں نے آواز دے کر بلایا تو سب یکا یک پلٹ آئے۔اس وقت ان کی تلواریں نورِ ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دہکتا ہے غرض بگڑا ہوا کھیل پھر سے بن گیا مشرکین مغلوب ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔[2]

---

۱ [بخاری ص ۵۶۵ جلد دوم]

۲ [سیر الصحابہ ص ۲۷۸ جلد دوم]

جنگِ یرموک

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے لیکن عہد فاروقی میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا اس نے بالآخر ان کی رگِ شجاعت میں بھی گرمی پیدا کر دی۔ چنانچہ ۱۵ھ میں گوشۂ خلوت سے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف نکل پڑے اور میدانِ یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرمِ پیکار ہو کر خوب دادِ شجاعت وصول کی۔[1]

عہدہ قضاء

۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے عہدہ قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی انہیں سے متعلق تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ سے آپ کی تقرری فرمائی:

﴿اِنِّی بَعَثْتُ اِلَیْکُمْ عَمَّارَ بْنَ یَاسِرٍ اَمِیْرًا وَابْنَ مَسْعُوْدٍ مُعَلِّمًا وَ وَزِیْرًا وَ قَدْ جَعَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَلٰی بَیْتِ مَالِکُمْ وَ اِنَّهُمَا لَمِنَ النُّجَبَاءِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مِّنْ اَهْلِ بَدْرٍ فَاسْمَعُوْا لَهُمَا وَ اَطِیْعُوْا وَاقْتَدُوْا بِهِمَا وَ قَدْ اٰثَرْتُکُمْ بِابْنِ اُمِّ عَبْدٍ عَلٰی نَفْسِیْ﴾[2]

میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو کہ معرکہ بدر میں شریک تھے اس لئے ان کو سمعاً وطاعۃً کہو اور اتباع کرو حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیئے ابن ام عبد (ابن مسعود) کو

---

[1] [ایضاً]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۴ ج ۳]

اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی وخوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ بعض اوقات ایک ہی جرم، مجرموں کے اختلافِ حیثیت کی وجہ سے ان کو مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہ اس نکتہ سے اچھی طرح واقف تھے۔

ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں میں سے کچھ لوگ ابھی تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں حضرت عبداللہ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کروایا اور سب کی توبہ قبول کر کے ان کو چھوڑ دیا لیکن ان کے گروہ کے سردار ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزا تجویز کی لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا کیا تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان لاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

﴿لو لا ان الرسل لا تقتل لضربت اعنا قكما﴾

”اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کروا دیتا۔“

اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس باطل عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں اور اس کی نبوت کے اقرار سے باز نہیں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو پورا کرنا ضروری ہے اور یہ کہہ کر اسے قتل کروا دیا۔[1]

خزانہ کی افسری

حضرت عبداللہ منصبِ قضاء کے ساتھ خزانہ کے وزیر بھی تھے۔ عظمت و وسعت (آمدنی کی کثرت) کے لحاظ سے کوفہ کا بیت المال نہایت اہمیت کا حامل تھا اور اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری ہوتے تھے، فوجی مرکز ہونے کی وجہ سے ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ خراسان، ترکستان، اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی اس کے مصارف واخراجات بھی اسی خزانہ سے ادا کیے جاتے تھے اس بنا پر دوسرے اہم

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۵

مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک روپیہ بھی اور ایک دانہ بھی ادھر سے ادھر نہ ہو درحقیقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔[1]

معزولی

حضرت عثمان کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش وفساد بازاری کا بازار گرم تھا تو خفیہ سازشوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار نہ رہنے دیا اور آپ معزول کر دیئے گئے۔ معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا میں صف ماتم بچھا دی، احباب اور معتقدین، تلامذہ واعیان شہر کی ایک بہت بڑی جماعت نے جمع ہو کر اس فرمانِ عزل پر سخت ناگواری کا اظہار کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اگر اس پاداش میں کوئی مصیبت آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ عنقریب جو فساد برپا ہونے والا ہے اس کی ابتداء میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔[2]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور اصحاب صفہ میں سے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنے زہد اور دنیا سے عزلت گزینی کے باعث ایک ممتاز شان رکھتے تھے۔ عثمانی دور میں جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا تو امراء وعوام میں مال ودولت کی فراوانی کی وجہ سے تعیش پسندی کا عنصر غالب آنے لگا جو اس درویش کی طبیعت ومزاج سے بالکل میل نہ کھاتا تھا چنانچہ یہ بہت کثرت سے امراء وسلاطین پر نکتہ چینی کرتے اور انہیں مال ودولت جمع کرنے سے منع فرماتے جبکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم مال ودولت جمع کرنے کو جائز

---

[1] [طبری ایضاً]

[2] [الاصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود]

کہتے تھے۔ مختصر یہ کہ اس جلیل القدر صحابی رسول کو خلیفہ ثالث نے مکہ کے قریب ''ربذہ'' نامی ایک گاؤں میں بھیج دیا تھا جہاں یہ سب سے الگ تھلک درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سفر تبوک کے موقع پر ان کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے کہ اکیلے چلتے ہیں اکیلے وفات پائیں گے اور اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے۔[1] اور یہ بھی فرمایا تھا کہ تمہاری وفات کے قریب وہاں سے ایک جماعت گزرے گی۔ چنانچہ حضرت ابوذر نے اپنی بیوی کو راستہ پر بھیج دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق اس جماعت کا انتظار کرے اور ان کے ملنے پر ان کو یہاں لائیں تاکہ وہ میری تجہیز و تکفین کا انتظام فرمائیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے قافلہ کے ساتھ مقام ربذہ پر پہنچے تو وسطِ راہ میں ایک خاتون کو کھڑے پا کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہا کہ ایک مسلمان کی تجہیز و تکفین کرنی ہے! پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا: ابوذر صحابی رسول ہیں۔ ابن مسعود **فدیت بابی وامی!** ''میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں'' کہہ کر اتر پڑے اور ان کے پاس پہنچے تو ان کے آخری سانس تھے ابوذر، اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں سپردِ خاک کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر امیر المومنین کو حضرت ابوذر کی وفات کی اطلاع دی اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی وعبادت الٰہی میں بسر ہوں۔[2]

علالت

۳۲ھ میں جب حضرت ابن مسعود کا سنِ مبارک ۶۰ سال سے متجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے میں نے گزشتہ شب خواب دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور

---

۱ | سیر اعلام النبلاء ص ۲۷۳ جلد سوم |

۲ | مسند احمد بن حنبل بحوالہ سیر الصحابہ ص ۲۸۴ جلد دوم |

آپ سامنے ہیں اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ! میرے بعد تمہیں تکلیف پہنچائی گئی آؤ میرے پاس چلے آؤ فرمایا خدا کی قسم! تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا ہاں! فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہوکر مدینہ سے جاؤ گے۔[1]

یہ خواب حقیقت بن گیا اور چند ہی دنوں بعد عبداللہ بن مسعود اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان سے چونکہ آپ کی یک گونہ شکر رنجی تھی اور انہوں نے دو برس سے ان کا وظیفہ بند کر رکھا تھا اس لئے وہ آخری وقت میں درگزر کرانے اور عیادت کے لیے تشریف لائے اور ان دونوں بزرگوں میں اس طرح گفتگو شروع ہوئی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت ابن مسعودؓ رضی اللہ عنہ: اپنے گناہوں کی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت ابن مسعودؓ: اللہ کی رحمت

حضرت عثمانؓ: آپ کے لئے طبیب لاؤں؟

حضرت ابن مسعودؓ: مجھے طبیب نے ہی بیمار کیا ہے

حضرت عثمانؓ: آپکا وظیفہ جاری کردوں؟

حضرت ابن مسعودؓ: مجھے اس کی ضرورت نہیں

حضرت عثمانؓ: آپ کے بعد آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ: کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج اور دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں کیونکہ رسول خدا نے فرمایا جو ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کرے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا سوال و جواب سے اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اس آخری وقت میں بھی دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ص ۳۶۵ جلد دوم]

سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفوخواہی نے ان دونوں بزرگوں کے آئینہ قلب کو شفاف کر دیا تھا۔ محمد ابن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاصا زور دیا ہے۔[1]

وفات

حضرت عبداللہ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو چلا تو انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اوران کے صاحبزادے عبداللہ زبیر کو لاکر اپنے مال واسباب اور اولا د نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر ۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔[2] امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

علم وفضل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو اپنے علم وفضل میں تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کیے گئے ہیں۔ آپ نے پہلے پڑھ لیا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے لیکن خدا کی قدرت معلّم ربانی کی نگاہِ انتخاب نے ان کو گلہ بانی سے نکال کر اپنے حلقہ تلمّذ میں داخل کر لیا اور آپ علم وفضل کے آسمان پر مہر منیر بن کر چمکے۔

علم کا شوق

حضرت عبداللہ ابتداء ہی سے علم کے شائق تھے قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تعلیم دیجیے تو بشارت ملی۔

اِنَّکَ غُلَامٌ مُعَلَّمٌ تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔

اس شوق کا اثر یہ تھا کہ شب وروز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے تھے۔ خلوت، جلوت، سفر حضر غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ گویا کہ صفہ کا

---

[1] [اسد الغابہ ص ۲۶۵ جلد دوم]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۹ جلد ۳]

چبوترہ تو ان مہمانانِ رسول اور طلبائے علم وحی کے لئے دارالاقامہ تھا اور ان کی درسگاہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تھی جہاں آپ ﷺ ہوئے وہیں ان طالب علموں کی جماعت لگ جاتی۔

جو لوگ آج عمارتوں کو مدارس سمجھتے ہیں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں اس لئے کہ مدرسہ عمارت کا نام نہیں بلکہ استاد و طالب علم کی ملازمت کا نام ہے وہ کسی عمارت میں ہو یا انار کے درخت کے نیچے اور استاد و شاگرد کا یہ جوڑ وہ ایمانی برقی لہریں پیدا کرتا ہے کہ عالم کفر تمام تر مادّی اسباب کے باوجود اس کا جھٹکا برداشت کرنے سے قاصر ہے اور اس کا توڑ مادیت کی دنیا میں تا حال ناپید ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی علمی پیاس باوجود ساقی کوثر کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہنے کے مزید تیز تر ہوتی جاتی تھی۔ اور اس مریض علم پر خدا کی رحمت تھی کہ جوں جوں دوا کرتے تھے یہ مرض طول ہی پکڑتا جاتا تھا یہاں تک کہ اگر آپ حاضر نہ ہو سکتے تو اپنی والدہ ام عبد کو بھیج دیتے کہ وہ آپ ﷺ کی خانگی زندگی کی معلومات بہم پہنچائیں۔

رسالتماب ﷺ کی خدمت وصحبت کا اثر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جناب رسالتماب ﷺ کے خدام خاص میں شامل تھے، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے آگے چلنا، جوتا پہنانا، مسواک اٹھا کر رکھنا آپ کی مخصوص خدمت تھی۔ اس خدمت گذاری کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کے ہمراز اور ہمدم بھی تھے۔ مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے، بلا اجازت خلوت کے مواقع پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کو ''صاحب الوسادۃ والنعلین'' یعنی ''رسول اللہ ﷺ کے بستر اور مسواک و جوتے اٹھانے والا'' کا لقب دیا گیا تھا۔[۱] حضرت ابوموسیٰ الاشعری فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا یہاں تک کہ ہم یہ گمان کرنے لگے کہ یہ خاندانِ رسالت کا ایک رکن ہیں۔[۲] غرض

---

۱ سیر اعلام النبلاء ص ۲۰۹ جلد سوم ۲ ایضاً

اس خدمت گزاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو گلستانِ نبوت سے سب سے زیادہ گلہائے علم نبوت چننے کا موقع دیا تھا۔

قرآن فہمی

قرآن کریم جو اصل الاصول ہے اور اسلام کی عمارت کا مرکزی ستون بھی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے ستر سورتیں خاص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سن کر سیکھی ہیں ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کب، کہاں اور کس بارے میں اتری ہے۔

اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے زیادہ قرآن کا عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا۔[1]

ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے بڑا عالم ہوں، گو میں سب سے بہتر نہیں ہوں حضرت شقیق اس مجلس میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقوں میں شریک ہوا مگر میں نے کسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

ابو الاحوص کہتے ہیں کہ ایک روز ہم اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے چند احباب کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری کے مکان میں تھے۔ حضرت عبداللہ واپس جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہو۔ ابو موسیٰ نے کہا: ایسا کیوں نہ ہو! یہ اس وقت بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب رہتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریابی کی اجازت تھی کہ جہاں ہم روک دیئے جاتے تھے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس دن سے دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن چار آدمیوں سے حاصل

---

[1] سیر اعلام ص ۲۰۹ جلد ۳ [2] ایضاً

کرو۔'' اور سب سے پہلے ابن ام عبد کا نام لیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو ابو موسیٰ الاشعری اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے سے پوچھا کیا عبداللہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا: نہیں وہ خلوت، جلوت میں حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔[1]

حضرت عبداللہ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمان نے جب مصحفِ صدیقی کے علاوہ باقی تمام مصاحف تلف کرنے کا حکم دیا تو ابن مسعود نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

چونکہ اس مصحفِ عثمانی کی نقل وترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابت کے سپرد تھی اس لئے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے۔

شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی ہیں حالانکہ زید بن ثابت اس وقت لڑکے تھے اور بچوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا: قرآن چار آدمیوں سے سیکھو (۱) عبداللہ بن مسعود (۲) سالم (۳) معاذ (۴) ابی بن کعب۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیریں حدیث وتفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

تفسیر بالرائے سے احتراز

محض اپنی رائے اور قیاس سے قرآن پاک کی تشریح کرنا اور تفسیر بیان کرنا علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے حضرت عبداللہ اگر کسی کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتے تو

---

۱ [مسلم]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۴۱۲ جلد ۳]

نہایت برہم ہوتے۔ ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں قرآن پاک کی آیت ''یَوْمَ تَاتِی السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ'' [سورۃ دخان] کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے وہ کہتا ہے کہ قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اس قسم کی بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے بولے دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو ''واللّٰہ اعلم'' کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہہ کر خاموش ہو جائے۔ پھر خود اس آیت کی تفسیر بیان فرمائی اور کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب قریش کی بد اعمالیوں اور آپ ﷺ کی بد دعا سے تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا خدائے پاک نے کفار کو اس موقعہ پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ ایک ہولناک اور سخت انتقام والا دن آنے والا ہے۔ وہ جنگِ بدر کا دن تھا۔[1]

قرآن کی قرأت

آپ کو قرأت قرآن میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ صحاحِ ستہ میں بکثرت ایسی روایتیں موجود ہیں کہ جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرأت میں ابن ام عبد یعنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی کی جائے۔

ایک مرتبہ نماز میں سورۃ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ حضرت خیر الانام ﷺ حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سن کر خوش ہو کر ارشاد فرمایا۔

﴿اسئل تعطه، اسئل تعطه﴾

''جو کچھ سوال کرو پورا کیا جائے گا، جو کچھ سوال کرو پورا کیا جائے گا''

پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح نازل ہوا تو اس کو قراۃ ام عبد کی اتباع کرنی چاہیے۔

---

[1] [بخاری جلد دوم]

دوسرے روز حضرت ابو بکر ان کے پاس بشارت وتہنیت کی غرض سے تشریف لائے اور پوچھا کہ رات کو آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی، بولے میں نے خدا سے دعا مانگی۔

﴿اللّٰھم انّی اسألک ایماناً لا یرتد ونعیماً لا ینفد ومرافقة نبیّک محمّدٍ فی أعلیٰ جنان الخلد.﴾

''اے اللہ میں آپ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جس کو کبھی جنبش نہ ہو اور ایسی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور خدا بریں میں حضرت محمد ﷺ کی دائمی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔[۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود تلاوتِ قرآن کے بہت شائق تھے اور تنہائی کے مواقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے تھے۔ بسا اوقات خود آنحضور ﷺ بھی ان سے قرآن کی کوئی سورت تلاوت کروا کر سنا کرتے تھے۔

خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بارگاہ نبوی سے ارشاد ہوا کہ سورۃ نساء پڑھ کر سناؤ! میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر قرآن نازل ہوا اور آپ کو میں پڑھ کر سناؤں؟ ارشاد ہوا کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ غرض میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا۔

﴿فکیف اذا جئنا من کل امة بشھیدٍ وجئنابک علی ھؤلاٗ شھیداً﴾[النساء : آیت ۴۱]

''پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔''[۲]

روایت میں خوف واحتیاط

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوی میں جو خاص تقرب حاصل تھا اس

۱۔ [سیر اعلام النبلاء ص ۶۸ ۳ جلد دوم]

۲۔ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۲ جلد ۳]

کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے لیکن روایت کے بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔ ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا لیکن بہت کم ''قال رسول الله '' کا لفظ ان کی زبان سے سنا ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آ گیا اور کہنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ۔

عمرو بن میمون فرماتے ہیں تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں میری آمدورفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کر کے حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے ان کے منہ سے قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کا فقرہ نکل گیا تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔[1]

شاگردوں کو احتیاط کی ہدایت

شاگردوں کو بھی عموماً روایتِ حدیث میں احتیاط کی ہدایت کرتے اور فرماتے تھے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیشِ نظر رکھو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مقدس، پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔

کثرتِ روایت

ان واقعاتِ بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بالکل ہی احادیث روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور ارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے بکثرت روایات بیان کیں چنانچہ آپ کی تمام مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔ ان میں سے ۶۴ بخاری و مسلم دونوں میں ہیں ان کے علاوہ ۲۱ صرف بخاری میں

---

۱ [سیر الصحابہ ص ۲۹۲ جلد ۲]

۲ [ایضاً]

اور ۳۵ صرف مسلم میں ہیں۔

مذاکرۂ حدیث کا شوق

بسا اوقات مذاکرہ حدیث کے شوق میں وہ اپنے احباب وتلامذہ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر ہوتا۔ وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز آئی۔ میں نے جواب دیا اور باہر نکل کر دیکھا تو عبداللہ بن مسعود تھے۔ میں نے کہا ابوعبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے آج بعض مشاغل ایسے درپیش ہوئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد نبوت کی مقدس یاد تازہ کرلوں غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان کرنے لگے اور دیر تک پر لطف صحبت رہی۔[1]

آدابِ روایت

حضرت عبداللہ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب ومتین اور سنجیدہ بن جاتے تھے اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے۔

ایک مرتبہ انہوں نے ایک لمبی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مومنین اور اللہ رب العزت کے سوال وجواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کرنے کے بعد مسکرائے اور فرمایا: تم نے پوچھا نہیں کہ میں کیوں مسکرایا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں ہنستے ہیں؟ بولے: اس لئے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے تھے۔[2]

فقہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُن فاضل صحابہ میں سے ہیں جو فقہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں خصوصاً فقہ حنفی کے مسائل کی تمام تر عمارت حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کے سنگِ

---

[1] [مسند احمد ص ۴۴۸ جلد اول]

[2] [ایضاً]

اساس پر تعمیر ہوئی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ ہی تعلیم دین کی خدمت بھی ان کے سپرد ہوئی۔ اس بنا پر ان کو قدرۃً حلقہ درس قائم کرنا پڑا اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج کا نہایت نادر موقع ہاتھ آیا۔ اس طرح تمام خطہ عراق فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پیرو ہو گیا اور ان کی درسگاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سندِ فضیلت لے کر نکلے۔

اگرچہ فقہ کے چاروں امام برحق اور عنداللہ ماجور ہیں اور ان کی فقہ اصول دین کے موافق قرآن وسنت پر ہی مبنی ہے۔ لیکن ان سب میں امام ابوحنیفہ جیسے فقیہ کی فقہ اور مسائل فقہیہ کو توثیق و برتری حاصل ہونے کا ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ ان کا مسکن و مادر علمی یہی کوفہ ہے جس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے بلند پایہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کثیر ملازمت رکھنے والے صحابی نے علم نبوت کی نشر واشاعت کی اور یقیناً علمِ نبوت سے سرِ مو انحراف نہیں کیا ہوگا۔

نیز امام ابوحنیفہ جیسے عظیم المرتبت امام نے ان اساتذہ سے علم سیکھا اور ان لوگوں کی نمازوں کا مشاہدہ کیا جو براہ راست اس مثیل رسول کے شاگرد اور معتمد تھے۔ مثلاً علقمہ، اسود، اور ابراہیم نخعی رحہم اللہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چشمہ علم سے سیراب ہونے والے بزرگ ہیں جنہوں نے آگے یہ امانت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ اہل علم کو منتقل کی۔

لہٰذا وہ مسائل جو فقہ حنفی میں ہیں خصوصاً نماز کے مسائل، ان کو حدیث کے خلاف کہنا اور امام صاحب پر حدیث کی مخالفت کا الزام عائد کرنا نہایت نادانی کی بات ہے۔ اہل کوفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حاصل کردہ علم کو محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ پوری تندھی کے ساتھ اس امانت کو امت میں پھیلایا۔ ابراہیم نخعی کے پاس حضرت ابن مسعود کے فتاوی کا ایک کثیر ذخیرہ موجود تھا جو تمام تر اُن کو زبانی یاد تھا۔ ان سے حماد نے حاصل کیا اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حصہ میں آیا جنہوں نے اپنے علم واجتہاد سے اس کو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے۔

اصول فقہ

قرآن، حدیث، اجماع وقیاس فقہ اسلامی کے چار بنیادی ستون ہیں اور یہی اصول فقہ کے موضوع فن بھی ہیں۔ ان میں سے دونوں مؤخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ ﷺ کے دور میں پیش نہ آئی تھی کیونکہ مہبطِ الٰہی کی موجودگی میں اجماع وقیاس کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی تھی۔

اجماع

کسی زمانے میں کسی دینی مسئلے پر امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مجتہدین کا اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔ اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کا خاص طرہ امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تحسین فرمائی اور فرمایا:

﴿مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَمَا رَاَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ سَيِّئٌ﴾

''جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے
اور جس کو وہ برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے۔[1]
اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے۔

قیاس

اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے لیکن توسیعِ فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا اس لئے علتِ مشترکہ نکال کر ان جزئیاتِ غیر منصوصہ کو احکامِ منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا کام اور اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے

[1] مسند احمد ص ۳۷۹ جلد اول

جہاں اس کی قوتِ اجتہاد کا مظاہرہ، تفریع مسائل واستنباطِ احکام ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قیاسِ شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔

اجتہاد

مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدگیاں صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ملکہ اجتہاد سے حل ہوئیں آپ استنباطِ احکام اور تفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے اور نصوصِ شرعیہ میں ناسخ منسوخ، موقت ومؤبد کی تفریق کر کے صحیح استنباطِ حکم کی راہ پیدا کر لیتے تھے۔

مثلاً یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرق اسلامیہ کے درمیان معرکۃ الاراء مسائل میں سے رہا ہے۔ اگرچہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے اور اس کی وجہ سے کسی کی تکفیر تو نہیں کی جاسکتی لیکن یہ کسی طرح حل ہونے میں نہیں آتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی چونکہ ایک شخص نے بطریقِ استفتاء اس مسئلے کو ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا

﴿اَنْصِتْ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شُغلاً یَکْفِیکَ ذَاکَ الْاِمَامُ﴾[1]

''خاموش رہو کیونکہ (فاتحہ پڑھنے سے) توجہ قائم نہیں رہتی، امام کا پڑھنا تمہارے لئے کافی ہے۔''

اس جواب میں درحقیقت تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلے میں بمنزلہ ڈھال کے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر رحم

---

[1] [مؤطا محمد ص ۹۶ جلد اول]

کیا جائے۔" [سورۃ اعراف ایت ۲۰۴]

(۲) مقتدی کو قرأت کرنے سے نماز میں دلی توجہ نہیں رہتی

(۳) آنحضرت ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے۔

"من کان له امام فقراء ة الا مام له قرأة"[۱]

جو آدمی امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

معاصرین کا اعترافِ فضل وکمال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تبحر علمی اور ملکہء اجتہاد کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معترف تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ شاش بشاش ہو جاتا اور فرماتے

كُنَيْفٌ مُلِئَى عِلْمًا یہ ایک ظرف ہیں جو علم سے بھرا ہوا ہے۔[۲]

ایک مرتبہ حضرت علی سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ، حسنِ خلق اور تبحر علمی کی بے حد تعریف کی، انہوں نے پوچھا کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟ بولے: ہاں! فرمایا تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو کچھ تعریف کی ہے میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں۔

بے ادب کا انجام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے جو تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا کہا کہ تہبند ذرا اوپر کر کے باندھو" اس نے کہا ابن مسعود تم بھی تہبند اوپر کرو۔ بولے: میں تمہارے جیسا نہیں ہوں میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رد وقدح کے حال سنا تو اس شخص کو کوڑے لگوائے کہ تو نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ منہ زوری کی ہے۔[۳]

---

۱ [الجوہر النقی ص ۱۵۹ جلد دوم]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۶ جلد سوم]

۳ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۶ جلد ۳]

نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز

ایک طرف تو ان کی قوتِ اجتہاد اور جلالتِ شان کا یہ حال تھا جبکہ دوسری طرف حزم واحتیاط کا عالم یہ تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ یہ ہدایت کرتے تھے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہہ دیا کرو "لا ادری" کہ میں نہیں جانتا۔[1] مسروقؒ جو ان کے خاص شاگردوں میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکثر افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جب علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور محض اپنی عقل ورائے سے قیاس کریں گے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہ ہوا یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس کے لئے کیا حکم ہے وہ وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی خاص واقفیت نہ تھی اس لئے لوگوں کے ضد واصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے لیکن جب زیادہ مجبور کیے گئے تو بولے: میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے تو خدا اور اسکے رسول کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراح اور حضرت ابوسنان موجود تھے انہوں نے اٹھ کر کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ نے بروع بنتِ واشق کے حق میں یہی فیصلہ دیا تھا۔ اس موافقت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔[2]

امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چھ اشخاص مجتہد شمار کیے جاتے ہیں اور باہم مسائل فقہیہ میں بحث ومذاکرہ کرتے رہتے تھے وہ

---

[1] [بخاری ص ۱۰۴۳ جلد دوم]

[2] [ابوداؤد]

یہ ہیں ۔ (۱) علی (۲) ابی بن کعب (۳) ابو موسیٰ اشعری (۴) حضرت عمر (۵) زید بن ثابت (۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ۔

امام شعبی کا بیان ہے کہ عمر، زید اور عبداللہ بن مسعود باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔

ارباب علم کی قدر شناسی

حضرت عبداللہ ارباب علم وفضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمر کی نسبت ان کا قول تھا، اگر عرب کا علم ایک پلہ میں اور عمر کا دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو عمر کا پلہ بھاری رہے گا اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے افضل جانتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کرتے تھے: ابن عباس بہترین ترجمان قرآن ہیں اگر وہ عہدِ رسالت میں ہم لوگوں کی عمر پالیتے ہیں تو ان کی کوئی ہمسری نہ کرسکتا۔

درس وتدریس

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درسگاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقمہ، اسود مسروق، عبیدہ حارث، قاضی شریح اور ابووائل نہایت نام آور ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت خباب نے ان کے وسیع حلقہء درس کو دیکھ کر فرمایا ابوعبدالرحمٰن کیا آپ کی طرح آپ کے یہ شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کرسکتے ہیں؟ بولے آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم کروں؟ حضرت خباب نے کہا کیوں نہیں! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورۃ تلاوت کی۔ حضرت خباب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے رائے طلب کرنے پر فرمایا "قد احسن" کہ انہوں نے بہت اچھا پڑھا۔[1]

---

[1] [بخاری ص ۶۳۰ جلد دوم]

قوتِ تقریر اور وعظ نصیحت

تقریر وخطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے،ایجاز وواختصار کے ساتھ تاثیران کی تقریر وعظ کی خاص اور ممتاز صفت تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر تقریر فرمائی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اوران کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تقریر کرنے کا حکم دیا۔

ان دونوں بزرگوں نے باری باری اپنا بیان ختم کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ کھڑے ہوکر بیان کریں۔

انہوں نے کھڑے ہوکر حمد ونعت کے بعد کہا:

﴿اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ رَبُّنَا وَ اِنَّ الْاِسْلَامَ دِیْنُنَا وَ اِنَّ ھٰذَا نَبِیُّنَا (وَ اَوْمَأَ بِیَدِہٖ اِلَی النَّبِیِّ) رَضِیْنَا مَا رَضِیَ اللّٰهُ لَنَا وَرَسُوْلُهٗ السلام علیکم﴾[۱]

''اے لوگو! بے شک اللہ جل جلالہ ہمارے رب ہیں اور اسلام ہمارا دین ہے اور یہ ہمارے نبی ہیں (یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا) خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ ہمارے لئے پسند کیا ہم نے بھی اس کو پسند کیا۔'' السلام علیکم

آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا ابن ام عبد نے سچ کہا۔[۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مواعظ میں عموماً توحید، نماز باجماعت اور خوفِ خدا کی تلقین کرتے اور مثالوں سے بات کو ذہن نشین کرواتے۔

مثلاً ایک وعظ میں انہوں نے فرمایا: ایک شخص نے جس کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی مرتے وقت وصیت کی کہ میری لاش جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا۔ لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا کہ تو

---

۱ [تذکرہ ص ۱۳ جلد اول]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۳ جلد سوئم]

نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ بولا خدایا تیرے خوف اور ڈر سے اس گزارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ آدمی بخش دیا گیا[۱]۔ اس تمثیل سے یہ سمجھانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر تمام اعمال حسنہ کی جڑ ہے اور روح ہے۔

کثرتِ وعظ سے احتراز

آپ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے اس بنا پر لوگوں کے اصرار کے باوجود بہت کم منبر پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر اور سادہ لیکن مؤثر انداز میں کہہ دیتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرا نہ اٹھیں۔

ایک مرتبہ آپ کے گھر کے باہر وعظ سننے کے شوق میں لوگوں کا ہجوم تھا یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہو لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کہیں کثرتِ بیان آپ کو تھکا نہ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔[۲]

اخلاق

سنتِ نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت ابن مسعود کے اخلاق وطور طریقوں پر بڑا اثر ڈالا تھا اور گویا کہ آپ کے اندر معاشرت نبوی جھلکتی تھی۔

عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے ہم نے حضرت حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق و ہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے کچھ حاصل کر سکیں۔ بولے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن خلق، ہدایت وطور طریقے کے پابند تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

۱ [مسلم ص ۳۵۶ جلد دوم]

۲ [مشکوۃ کتاب العلم]

دوستوں میں سے جولوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوی میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند و بالا ہے۔[۱] حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چند دیرینہ احباب آپ سے ملنے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امتحاناً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے خیالات دریافت کیے، سب نے بالا تفاق تعریف کی اور کہا امیر المؤمنین! ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ متقی پرہیز گار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہم نشین نہیں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک میرا بھی یہی خیال ہے بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی ہے میں ان کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال سمجھا، اور حرام کو حرام سمجھا وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے۔[۲]

حضرت عثمان نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا، وفات کے وقت حضرت عثمان نے ان کی اولاد کیلئے وظیفہ جاری کرنا چاہا لیکن حضرت عبداللہ نے نہایت بے نیازی سے انکار فرما دیا اور فرمایا آپ کو میری اولاد کے محتاج اور دستِ نگر ہونے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دے دیا ہے کہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھ لیا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔[۳]
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مہمان نوازی کا بہت شوق تھا انہوں نے کوفہ میں موضع الرماد کا مکان خاص طور سے مہمانوں کے لئے خالی کروایا تھا۔[۴]

مذہبی زندگی

عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے،

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۰۹ ج ۳]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۷ جلد ۳]

۳ [اسد الغابہ مترجم ص ۳۶۶ جلد دوم]

۴ [سیر الصحابہ ص ۳۰۹ جلد دوم]

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں، ابوعقرب کہتے ہیں کہ میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرمارہے ہیں: ''خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا'' میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامات یہ ہیں کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

ابو وائل راوی ہیں کہ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم تھوڑی دیر دروازے پر کھڑے رہے اتنے میں لونڈی نے آکر کہا آتے کیوں نہیں؟ ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا کہ اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں لیکن خیال ہوا ممکن ہے بعض اہل بیت سو رہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ سورج نکل چکا تو لونڈی سے کہا کہ دیکھو آفتاب طلوع ہوا؟ اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا؟ اس نے جا کر دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی: ''اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا''، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا ''اور ہمارے گناہوں کے بدلے ہم کو ہلاک نہیں کیا۔'' نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا والدین کے ساتھ نیکوکاری میں نے کہا پھر؟ حکم ہوا: راہ خدا میں جہاد کرنا اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔ ہاں اگر میں سوال کرتا تو آپ اس پر کچھ اضافہ فرما دیتے۔ غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے۔

ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کے پہنچنے میں دیر ہوگئی حضرت عبداللہ نے بغیر توقف کے نماز پڑھا دی، ولید نے برہم ہو کر کہلا بھیجا آپ نے ایسا کیوں کیا، کیا امیر المؤمنین کا حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا نہ تو امیر المؤمنین کا حکم ہے اور نہ ہی اپنی ایجاد! خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارا انتظار کریں۔ رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن پیر اور جمعرات عموماً روزوں کے لئے مخصوص تھے۔ عاشورہ کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے میں نماز کو روزے پر ترجیح دیتا ہوں اگر روزے رکھوں گا تو ضعف ہو جائے گا اور ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی خشیتِ الٰہی اور خوفِ قیامت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا وہ فرماتے تھے کاش! میں مرنے کے بعد نہ اٹھایا جاتا۔[1]

خانگی زندگی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خانگی زندگی کی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل نمونہ تھی۔ بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے ہوئے بلند آواز سے کچھ بولتے ہوئے داخل ہوتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں۔ پوشاک نہایت سادہ زیب تن فرماتے تھے، ہاتھ میں ایک لوہے کی انگوٹھی رہتی تھی جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی تھی۔ غذا بھی پر تکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال فرماتے تھے ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا: خدا آپ پر رحم کرے آپ تمام امت کے مقتدا اور پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں؟ بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا۔[2]

---

[1] [سیر الصحابہ ص ۳۱۰ جلد دوم]

[2] [مسند امام اعظم ابی حنیفہ ص ۲۰۹ بحوالہ سیر الصحابہ]

وظیفہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے بیت المال سے پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفارش کروا کے ان کی اولاد کیلئے واگزار کروا دیا تھا اس طرح ان کے ورثاء کو یک مشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے۔[۱]

حلیہ

جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم و خوبصورت زلف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی نہ بکھرنے پاتا تھا۔[۲]

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو ہمیشہ چھپایا کرتے تھے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مسواک توڑنے کے لئے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی۔[۳]

☆☆☆

---

۱ [سیر الصحابہ ص ۳۱۲ جلد ۲]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۹ جلد سوم]

۳ [سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۱ جلد سوم]

﴿سیّدنا عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی عتبہ اور والد ماجد کا نام مسعود تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے، عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث۔

آپ مشہور صحابی رسول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام وہجرت

شروع اسلام میں ہی مسلمان ہوئے اور دو ہجرتوں کا شرف حاصل کیا۔ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف۔

غزوات

مدینہ منورہ آنے کے بعد ان کی شرکت کے لحاظ سے سب سے پہلا غزوہ ''غزوہ احد'' تھا اس کے بعد تمام غزوات میں رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

وفات

حضرت عمر کے عہد خلافت میں وفات پائی اور ان ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کے بھائی عبداللہ بن مسعود اس وقت حیات تھے ان کو بھائی کی موت سے سخت صدمہ ہوا اور ضبط و برداشت کے باوجود آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ بھی روتے ہیں تو فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا ساتھی تھا اور حضرت عمر کے علاوہ مجھے سب زیادہ محبوب تھا۔[1]

فضل وکمال

حضرت عتبہ کے بھائی عبداللہ بن مسعود اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بناء پر ''حبر الامۃ'' کہلائے۔ حضرت عتبہ اگرچہ مرتبے کے لحاظ سے ان سے کم نہ تھے لیکن دنیا سے کم عمر ہی چلے گئے جس وجہ سے ان کے جوہر چمکنے نہ پائے۔

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۲۰ جلد سوم]

﴿سیّدنا عُکاشہ بن مِحصن رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

عکاشہ نام، ابومحصن کنیت اور محصن بن حرثان کے نورنظر تھے پورا سلسلہ نسب یوں ہے عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مُرّۃ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

آپ ایام جاہلیت میں بنی عبدشمس کے حلیف تھے۔

اسلام وہجرت

آپ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے اسلام لائے اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب کا رخ کیا تو دیگر اصحاب کی طرح آپ نے بھی ساتھ ہی ہجرت فرمائی۔

غزوات

غزوہ بدر میں غیر معمولی جانبازی وشجاعت کے ساتھ برسر پیکار رہے ان کی تلوار ''دودم'' ریزے ریزے ہوکر ٹوٹ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی عنایت فرمائی جو کہ معجزۃً تلوار بن گئی اور اس عطائے رسول نے خنجر وتیغ سے زیادہ کام دکھایا اور وہ آخرت وقت تک اس کی مدد سے لڑتے رہے یہاں تک کہ حق غالب اور کفر ذلیل ورسوا ہوا۔[1]

اس معرکہ کے علاوہ اُحد وخندق وغیرہ تمام مشہور جنگوں میں جوش وپامردی کے ساتھ نبرد آزما رہے۔ ۶ھ ربیع الاول کے مہینے میں چالیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ بنی اسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ منورہ کے راستے میں چشمہءِ غمز پر خیمہ افگن تھے۔ حضرت عکاشہ نہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن بنی اسد خائف

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۳۴ جلد سوم]

ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی صرف دو سو اونٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار کر کے لے آئے۔[1]

شہادت

۱۲ھ میں خلیفہ اول نے حضرت خالد بن ولید کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور کیا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ حضرت عکاشہ اپنے گھوڑے رزام اور حضرت ثابت بن اقرم اپنے گھوڑے ''محبّر'' پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلیعہ کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً راستے میں دشمن سے مڈبھیڑ ہوگئی جس میں خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھا۔ طلیحہ نے حضرت عکاشہ پر حملہ کیا اور سلمہ، ثابت بن اقرم پر جا پڑا وہ شہید ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا: سلمہ جلدی میری مدد کو آؤ یہ مجھے قتل کیے دیتا ہے وہ فارغ ہو چکا تھا اس لئے یکدم ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو نرغے میں لے کر شہید کر دیا۔[2]

تجہیز و تکفین

اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدانِ اسلام کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو دکھ و قلق ہوا، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر نہایت خوف ناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیرِ لشکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلود لباس میں زیر زمین دفنا دیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حلیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر ملال کے وقت آپ کی عمر ۴۴ سال کی تھی اور آپ نہایت خوش رو تھے۔ علامہ ذھبی نے ان کے بارے میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: کَانَ مِنْ

---

[1] [سیر الصحابہ ص ۷۴۳ جلد سوم]

[2] [طبقات ابن سعد حصہ مغازی]

اَجْمَلِ الرِّجَالِ. کہ وہ خوبصورت ترین مرد تھے۔[1]

فضل وکمال

فضل ومنقبت کے لحاظ سے آپ کا شمار اکابر سادات صحابہ میں ہوتا تھا۔ صاحب اُسد الغابہ لکھتے ہیں: کان من سادات الصحابة و فضلائهم .[2]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخش دیئے جائیں گے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے معصومانہ سادگی سے عرض کی یارسول اللہ! میں؟ فرمایا تم بھی انہی میں ہو، اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا عکاشہ تم پر سبقت لے گیا۔ اس واقعہ کے بعد یہ جملہ ضرب المثل ہوگیا اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے فلاں عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا۔[3]

☆☆☆

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۳۴ جلد سوم]

[2] [ص ۳ جلد ۴]

[3] [بخاری]

﴿سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب:

عمار نام، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عمار بن یاسر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر بن یام بن عبس بن مالک العنسی القحطانی۔

حضرت عمار کے والد یاسر قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا اپنے ایک گمشدہ بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث و مالک کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے وہ دونوں تو واپس لوٹ گئے لیکن مالک نے یہیں اقامت اختیار کر لی اور بنومخزوم سے حلیفانہ تعلق قائم کر لیا اور حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ سے شادی کر لی جس سے حضرت عمار پیدا ہوئے، اور ابو حذیفہ نے عمار کو ان کے بچپن سے ہی آزاد کر دیا تھا اور تاحیات دونوں باپ بیٹا کو نہایت الفت ومحبت کے ساتھ اپنے ہاں رکھا۔[1]

اسلام

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمار اور حضرت صہیب بن سنان ایک ساتھ ہی ایمان لائے فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم کے دروازے پر دیکھ کر پوچھا: تم کس ارادے سے آئے ہو؟ بولے پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو! میں نے کہا: محمد ﷺ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں بولے میرا مقصد بھی یہی ہے غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے اور ساقی اسلام نے ایک ہی جام سے دونوں کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا۔

حضرت عمار کے ساتھ ہی یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۸۱ جلد سوم]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جس وقت ایمان لائے تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ پانچ غلام اور دو عورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دیکھا یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تیس اصحاب سے زیادہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔

حضرت عمار گو بے یار و مددگار، غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت وطاقت بھی حاصل نہ تھی اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر نہ رہنے دیا، مشرکین نے ان کے خاندان کو لاچار و مجبور سمجھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنایا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ریت میں لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود مشرکین ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے سے اپنے نیزے سے شہید کیا۔ یہ تاریخ اسلام کی پہلی دردناک شہادت تھی جو استقلال واستقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسر اور بھائی عبداللہ بھی اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گزرتے اور خاندان عمار کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے تو فرماتے: اے آلِ عمار تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے۔

ایک دفعہ حضرت یاسر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گردش زمانہ کی شکایت کی تو ارشاد ہوا صبر کرو! صبر کرو! پھر دعا فرمائی۔

اے خدا آلِ یاسر کو بخش دے۔

ایک روز مشرکین نے حضرت عمار کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بد حواس ہو گئے یہاں تک کہ اسی حالت میں ان ظالموں نے جو کچھ کہلوانا چاہا ان کی زبان سے اقرار کروالیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے جان چھوٹ گئی تاہم غیرتِ دینی نے پسینہ پسینہ کر دیا۔ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا عمار کیا بات ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت بری خبر ہے آج مجھے اس وقت تک خلاصی نہ ملی جب تک کہ میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر نہ کہہ دیئے۔ ارشاد ہوا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا میرا دل ایمان سے مطمئن ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو صاف کیے اور فرمایا کچھ مضائقہ نہیں اگر چہ پھر ایسا ہی کرو۔

اس کے بعد قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ [سورۃ نحل آیت ۱۰۶]

''جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو اس سے کوئی مواخذہ نہیں [1]

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے خدا کی قسم ہاں وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے مجبور ہو جاتے تھے اس حالت میں وہ جو کچھ بھی چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کروا لیتے تھے۔ غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی ان گرفتاران مصائب میں سے تھے جنہوں نے راہ خدا میں صبر واستقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب برداشت کیے لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۸۲ ج سوم]

انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔[۱]

ہجرت

ان کی ہجرتِ حبشہ کے متعلق اصحابِ سیر کا اختلاف ہے وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عمار نے بھی اس سرزمین امن کی طرف کوچ کیا اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہ بن یمان انصاری سے بھائی چارہ کروایا اور مستقل سکونت کیلئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔[۲]

تعمیر مسجد

مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی گئی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوش دلانے کے لئے خود بھی کام میں حصہ لیا، مسجد کی تعمیر کے دوران حضرت عمار رضی اللہ عنہ اینٹ، گارا لا کر دیتے تھے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے گزرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کیا اور فرمایا افسوس! عمار تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، تم اسے خدا کی طرف دعوت دو گے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔[۳]

ایک مرتبہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ وہ چلا اٹھے آج عمار مر جائیں گے، آج عمار مر جائیں گے۔ وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کر چکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو ان کے سر سے کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا افسوس! ابن سمیہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔

---

۱ [ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۷۷]

۲ [طبقات ابن سعد بحوالہ سیر الصحابہ ص ۳۵۰ جلد دوم]

۳ [بخاری ج ۲]

غزوات

غزوہ بدر اور غزوہ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے سب میں وہ جانبازی وشجاعت کے ساتھ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ عہد صدیقی کی اکثر خون ریز جنگوں میں خوب دادِ شجاعت وصول کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا کان شہید ہو گیا تھا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے کر رہے تھے۔ جس طرف رخ کرتے صفیں کی صفیں الٹ دیتے۔

ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے تو عمار نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا: اے مسلمانوں کے گروہ! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں آؤ میرے پاس آؤ۔ اس صدا نے جادو کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکا یک سنبھل گئے اور دشمن پر ٹوٹ کر ان کو ایک نئے حوصلے کے ساتھ تہہ و بالا کرنا شروع کر دیا۔[1]

کوفہ کی حکومت

خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا:

﴿اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّیْ بَعَثْتُ اِلَیْکُمْ عَمَّارَ ابْنَ یَاسِرٍ اَمِیْرًا وَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ مُعَلِّمًا وَ وَزِیْرًا وَ قَدْ جَعَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَلٰی بَیْتِ مَالِکُمْ وَ اِنَّھُمْ لَمِنَ النُّجَبَاءِ مِنْ اَصْحٰبِ مُحَمَّدٍ مِّنْ اَھْلِ بَدْرٍ فَاسْمَعُوْا لَھُمَا وَ اَطِیْعُوْا وَاقْتَدُوْا بِھِمَا وَ قَدْ اٰثَرْتُکُمْ بِابْنِ اُمِّ عَبْدٍ عَلٰی نَفْسِیْ وَ بَعَثْتُ عُثْمَانَ بْنَ حُنَیْفٍ عَلَی السَّوَادِ وَ رَزَقْتُھُمْ کُلَّ یَوْمٍ شَاۃً فَاجْعَلْ شَطْرَھَا وَ بَطْنَھَا لِعَمَّارٍ وَالشَّطْرَ الْبَاقِیْ بَیْنَ ھٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَۃِ﴾[2]

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۸۲ جلد سوم]

[2] [طبقات ابن سعد]

''حمد وصلوۃ کے بعد! میں تمہاری طرف عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم و وزیر بنا کر بھیجتا ہوں۔ خزانہ کا اہتمام وانصرام بھی ابن مسعود کے متعلق کیا ہے یہ دونوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان شریف ساتھیوں میں سے ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے۔ اس لئے ان دونوں کی فرمانبرداری اور اطاعت اور پیروی کرو میں نے ام عبد کے بیٹے کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے اور میں عثمان بن حنیف کو عراق کی پیمائش پر مامور کرتا ہوں اور ان کی رسد کے لئے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور پیٹ عمار کیلئے مخصوص رہے گا اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے۔

حضرت عمار نے ایک سال نو ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے لیکن اسی اثناء میں اہل کوفہ اور اہل بصرہ کی باہمی منافست اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا، اس واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقے ماہ یا باسبندان کا ضلع بصرہ میں شامل کر دیا جائے۔ کوفہ والوں کو خبر ہوئی وہ والی کوفہ عمار بن یاسر سے اس کی مخالفت کے خواستگار ہوئے اور یہ کہ ''رامہرمز'' اور ''ایذج'' کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سرد مہری سے اس کو ٹال دیا اور فرمایا مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضب ہو کر کہا: اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟ حضرت عمار صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ محبوب اور بہتر کان کو گالی دی۔[1]

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۶

غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود ''رامہرمز'' ''ایذج'' اور ''ماہ'' کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا۔ یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کوفہ کی طرف سے اہلِ کوفہ کے دل میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا۔ اس کے بعد ہی شکوہ وشکایت اور سازشوں کا سلسلہ شروع ہوا اور امیر المؤمنین کو باور کروایا گیا کہ عمار اس منصب کے اہل نہیں آخر کار آپ دارالخلافہ بلا کر اس عہدۂ گورنری سے معزول کر دیئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہیں ہوئے؟ بولے جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔

تحقیقات پر مامور ہونا

خلیفہ ثالث کے دور میں تمام ملک شورش، فتنہ پردازی اور فساد کا مرکز بن گیا۔ ۳۵ھ میں خلیفہ ثالث نے اس شورش کے اصلی اسباب کا جائزہ لینے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا اور حضرت عمار بن یاسر بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصل مرکز مصر کی طرف روانہ کیے گئے۔

خلیفہ ثالث سے اختلاف

تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آ کر قابل اطمینان رپورٹ پیش کی۔

حضرت عمار جب مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا۔ عام مجمعوں میں علانیہ حضرت عثمان کے طرز حکومت اور عُمّال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرفداران خلافت کے ساتھ جھڑپ کی نوبت بھی پیش آ جاتی ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا اور پیٹ پر خراش آ گئی اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا۔

بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف موالات کا تعلق تھا یہ سن کر کاشانہ خلافت کو گھیرے میں لے لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر اس صدمہ سے جانبر نہ ہوئے تو ہم انتقام ضرور لیں گے۔

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز وسیع تر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان نے حضرت سعد کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دیں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔[1]

سفارتِ کوفہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارِ گراں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ڈالا گیا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان سے ایک خاص محبت و انس تھا جس وجہ سے وہ تمام اہم مہمات میں ان کا دست و بازو ثابت ہوئے۔

حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لئے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارم کے حکم سے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ پر آمادہ کریں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو وہاں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ فرما رہے تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور پھر منبر پر کھڑے ہو کر نہایت پر جوش تقریر فرمائی، حضرت عمار بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا صاحبو! بے شک میں جانتا ہوں کہ عائشہ دنیا و آخرت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرم محترم ہیں لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہ کا ساتھ دیتے ہو۔ حجر بن عدی نے حضرت عمار کی تائید کی اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک بھاری فوج حضرت عمار کے ساتھ ہو گئی۔[2]

---

[1] [طبری] [2] [اخبار الطوال ص ۱۴۷]

جنگِ جمل

جمل عربی میں اونٹ کو کہتے ہیں اس جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ اونٹ پر سوار ہوکر آئی تھیں اس مناسبت سے اس کا نام جنگ جمل پڑ گیا۔

۳۶ھ جمادی الاولیٰ کو دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں اور لڑائی کے لیے تیار ہوگئیں ۔ حضرت زبیر کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمار، حضرت علی کی طرف سے لڑنے آئے ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں اور حق حضرت علی کے ساتھ ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا حق عمار کے ساتھ رہے گا اور باغی گروہ انہیں قتل کرے گا اس کے ساتھ ہی حضرت علی نے ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اس وقت خانہ جنگی سے کنارہ کش ہوگئے۔

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی، حضرت عمار میسرہ پر متعین تھے چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں اس لئے بہت بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح کے ساتھ اس افسوس ناک جنگ کا اختتام ہوا۔

جنگِ صفین

جنگ جمل کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگِ صفین کا معرکہ درپیش ہوا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی حضرت علی کے ساتھ تھے اور ان کی عمر ۹۱ سال کی ہو چکی تھی لیکن حمایتِ حق کے جوش نے اکانونے برس کے بوڑھے کو شجاعت و جانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا، بجلی کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف کو گھس جاتے صفیں کی صفیں تہس نہس کر دیتے۔ ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاص پر نظر پڑی تو بولے! میں اسی علمبردار سے تین دفعہ معیتِ رسول اللہ ﷺ میں لڑ چکا ہوں اب یہ چوتھی مرتبہ ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ ہمیں شکست دیتے ہوئے مقامِ ہجر تک بھی پسپا کر دیں تو بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم لوگ حق پر اور وہ غلطی پر ہیں۔

شہادت

ایک روز جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور پر تھی، حضرت عمار

رضی اللہ عنہ نے دودھ کے چند گھونٹ حلق سے نیچے اتارے اور بولے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا میں آخری توشہ ہے یہ کہتے ہوئے دشمن کی صف میں گھس گئے کہ آج میں دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا، اور کچھ ایسے استقلال وعزم کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ جس طرف نکلے پرے کا پر صاف ہو گیا اور جس پر وار کیا وہ ڈھیر ہی ہو گیا۔ واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتے تھے لیکن اسی حالت میں ابن الغاویہ نے نیزے کا وار کر کے ان کو زخمی حالت میں نیچے گرا دیا اور ایک دوسرے شامی نے آگے بڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ دونوں قاتل لڑتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے کیونکہ ہر ایک اس کارنامے کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص دربار میں حاضر تھے انہوں نے کہا: یہ دونوں جہنم کے لیے آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا عمرو! تمہاری یہ کیا حالت ہے جو لوگ ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں ان کو تم ایسا کہتے ہو؟ عمرو بن العاص بولے خدا کی قسم ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی۔[۱]

حضرت عمرو بن العاص کو حضرت عمار کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور وہ اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمار کے قاتل ہم نہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدان میں لے کر آئی ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا حضرت خزیمہ بن ثابت، جنگ جمل اور صفین میں شریک تھے لیکن اس وقت تک کسی طرف سے بھی اپنی تلوار بے نیام نہ کی تھی، حضرت عمار کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرار کا ساتھ دینا چاہئے تھا چنانچہ وہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی۔ اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم جو جنگ میں شرکت

---

۱ [طبقات ابن سعد بحوالہ سیر الصحابہ ص ۳۵۷ جلد دوم]

سے پس وپیش کررہے تھے،اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہو گئے۔

تجہیز و تکفین

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو سرد آہ کھینچ کرفرمایا، خدانے عمار پر رحم کیا جس دن اسلام لائے، خدانے رحم کیا جس دن شہید ہوئے اور خداان پررحم کرے گا جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کواس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایمان کا اعلان کرنے کی توفیق ہوئی تھی۔قدیم صحابہ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کرسکتا۔عمار اور حق لازم وملزوم تھے اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا۔اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود کپڑوں میں ۹۱ برس کا یہ حامیِ حق سپرد خاک کردیا گیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔کوفہ کی سرزمین میں دفن ہونے والے پہلے صحابی یہی ہیں۔[1]

اخلاق

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا معدن اخلاق گرانمایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔ورع وتقویٰ کے باعث سکوت وکم سخنی ان کا خاص شعار تھا۔فتنہ وفساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنادیا۔

سادگی، تواضع وخاکساری کا یہ حال تھا کہ فرشِ خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا۔غزوہ ذات العشیر ہ کے موقع پر بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کررہے ہیں۔غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا وہ دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو گئے۔

آپ عہدِ فاروقی میں کوفہ کے والی تھے لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۱۸۷ جلد سوم]

کہ خود بازار جا کر سودا سلف خرید لاتے تھے بلکہ اپنی پیٹھ پر لاد کر لاتے۔ اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔

حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں اپنے دوست سے ملنے گئے اثنائے گفتگو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنی چمڑے کی قمیص میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہو کر کہا اے فاسق کیا تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟ میرے دوست نے عفو خواہی کرتے ہوئے کہا: ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں اس وقت میں نے پہچانا کہ حضرت عمار بن یاسر یہی ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی و رضا مندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگِ جمل اور غزوہ صفین میں درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے لاکر کھڑا کر دیا تھا۔ صفین کی فوج کشی میں ساحلِ فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر، آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، اور فرمایا کہ میں لڑنے جاتا ہوں لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا۔

آپ کی اخلاقی عظمت اور قوتِ ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ''ایمان عمار کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے'' اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا، ہے۔[1]

مذہبی زندگی

مدرسہ صفہ کے اس طالب علم کی بھی عجیب شان تھی انہیں خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ رات رات بھر نماز و وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت

1. [سیر اعلام النبلاء ص ۸۶ ے جلد ۳]

﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ الَّيْلِ سَاجِداً وَ قَائِمًا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾ [الزمر: ۹]

''کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے، سجدے کر کے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے، خشوع خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کر کے بیٹھ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر جلدی کیوں کی، بولے اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی۔ معذوری کی حالت میں بھی کبھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سفر حج کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش کے پانی دستیاب نہ ہوا چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے اس لئے تمام جسم پر خاک مَل لی اور نماز پڑھ لی جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا ایسی حالت میں بھی صرف تیمّم کافی ہے۔

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورۃ یٰسین تلاوت کرتے خطبہ نہایت فصیح ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔

ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ کو مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے۔[1]

حلیہ

قد بلند و بالا، آنکھیں نرگسی، سینہ مبارک چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا تھا شہادت کے وقت گو ان کی عمر اکانوے برس تھی لیکن بڑھاپے کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔[2]

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۴۸۶ جلد سوم]

[2] [سیر الصحابہ ص ۳۶۰ جلد سوم]

سیّدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

(لاثانی)

نام ونسب

آپ کا نام عمیر اور لقب ''لاثانی'' تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف۔[۱]

آپ چونکہ بنی عمرو بن عوف کی اولاد میں سے تھے اس لئے آپ کو عمرو بن عوف کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم نے اپنی مستدرک میں اصحاب صفہ میں ان کا نام شمار کرتے ہوئے عمرو بن عوف ہی لکھا ہے۔ آپ کا تعلق عرب کے دو مشہور قبیلوں (اوس، خزرج) میں سے قبیلہ اوس سے تھا۔

بچپن

آپ کے والد سعد بن عبید نے آپ کی صغر سنی میں ہی انتقال کیا اور پھر آپ کی ماں نے جلاس بن سوید سے نکاح کر لیا تھا چنانچہ حضرت عمیر بھی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ جلاس کی زیر تربیت رہے اور جلاس نے باوجود سوتیلا بیٹا ہونے کے بہت ناز ونعمت سے پرورش کی اور حقیقی اولاد کی طرح کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دی۔

اسلام

ان کے والد جلاس کو اللہ تعالیٰ نے دولت اسلام سے مشرف کیا تھا یہ بھی غالباً ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔[۲]

---

۱ [اسد الغابہ مترجم ص ۷۵۰ جلد دوم]

۲ [سیر الصحابہ ص ۱۰۷ ج ۳]

غزوات

آپ کی عمر اگر چہ کم تھی لیکن اس کے باوجود اپنے والد جلاس کے ہمراہ میدان جنگ میں جاتے تھے چنانچہ غزوہ تبوک میں آپ کا اپنے والد کے ساتھ نکلنے کا ذکر واضح طور پر ملتا ہے لیکن اس کے باوجود کسی غزوہ میں ان کی شرکت اور عملاً قتال کا تذکرہ نہیں ملتا اور اس کی وجہ ان کی کم عمری تھی جس وجہ سے ان کو غزوات میں شریک ہونے سے روک دیا جاتا۔

البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحاتِ شام میں حصہ لیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر شام کی طرف روانہ فرمایا تھا اور کچھ عرصہ کے بعد "حمص" کے حاکم بھی بنائے گئے۔[۱]

فضائل ومناقب

آپ فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے تھے اور بہت بڑے زاہد تھے اسی وجہ سے آپ کو "لاثانی" کا لقب دیا گیا کہ صفات حمیدہ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کاش مجھے عمیر جیسے چند آدمی مل جاتے تو امورِ خلافت میں بڑی مدد ملتی۔ اور آپ ان کی قابلیت وصلاحیت کی بہت قدر دانی فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عمیر سے بہتر شام میں ایک شخص بھی نہ تھا۔ آپ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔[۲]

اخلاق

یوں تو بزم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو ذرہ بھی اٹھا وہ ہی خورشید جہاں ہو گیا مگر آپ کی اخلاقی حیثیت بہت بلند و بالا تھی اور زہد اور تقوے میں ان کا ثانی ملنا مشکل تھا۔ ایمانی جوش اور حبّ رسول کی دولت تو کم عمری میں ہی ہاتھ آ گئی تھی جس میں بتدریج اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

غزوہ تبوک میں جب آپ بہت کم سن تھے اور جہاد میں بڑے بڑے مجاہدین کے

[۱] [اسد الغابہ مترجم ص ۷۵۰ ج ۲]

[۲] [سیر الصحابہ ص ۱۰۸ جلد سوم]

ساتھ آپ کا وجود مسعود تماشا دکھائی دیتا تھا لیکن کسے خبر تھی کہ اس طفل مختصر میں باز کی پلٹ جھپٹ اور سینے میں شیر کا سا جگر ہے۔

آپ کے والد جلاس نے ایک موقع پر کہا کہ اگر محمد (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں تو عمیر نے بلا کسی خطر جواب میں کہا: وہ ضرور سچے ہیں اور تم یقیناً گدھوں سے بدتر ہو۔ جلاس کو بہت ناگواری ہوئی اور انہوں نے عہد کر لیا کہ اب اس کی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔

حضرت عمیر نے والد کو یہ جواب دے تو دیا اب فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں نے اپنے پرورش کرنے والے محسن سے ایسی سخت کلامی کی ہے، اگر میں نے سرور دو عالم ﷺ سے اس کا تذکرہ نہ کیا تو کہیں قرآن مجید میں اس بارے میں کوئی مذمت نہ نازل ہو جائے، اس خدشہ کے پیش نظر عمیر نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دے دی۔ آنحضرت ﷺ نے جلاس کو بلا کر پوچھا تو جلاس نے سرے سے انکار ہی کر دیا، اسی دوران نزول وحی شروع ہوا اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ حضرت عمیر کی تائید میں وحی نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے سر اٹھا کر یہ آیت پڑھی:

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ [توبہ: ۷۴]

''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ہم نے نہیں کہا، بیشک کہا ہے لفظ کفر کا۔''

اور جب اس حصے ''فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ'' کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے'' پر پہنچے تو جلاس نے بے ساختہ کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں اس کے بعد جلاس حقیقی طور پر مسلمان ہو گئے اور پھر کوئی قابل اعتراض طرز عمل اختیار نہ کیا اور توبہ قبول ہونے کی خوشی میں حضرت عمیر کی کفالت نہ کرنے کی جو قسم کھائی تھی وہ توڑ دی اور ہمیشہ ان کی کفالت کرتے رہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عمیر کا کان پکڑا اور فرمایا اے لڑکے! تیرا کان سچا ہے اللہ نے تیری تصدیق کی ہے۔[1]

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ۷۵۱ جلد دوم]

﴿سیّدنا عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی عویم اور کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، قبیلہ اوس سے تعلق تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عویم بن ساعدہ بن عائش بن قیس بن نعمان بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام

آپ کے اسلام لانے کے بارے میں اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ عقبہ اولیٰ میں شریک تھے۔[1]

غزوات اور عام حالات

آپ تمام غزوات میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، بطور خاص غزوہ بدر احد اور خندق میں شرکت کی۔

مواخاۃ

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ سے مواخاۃ کروائی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی مواخاۃ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کروائی۔ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب انصار کے جمع ہونے کی خبر سن کر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جارہے تھے تو ان کو دو آدمیوں نے انصار کے مجمع میں جانے سے روکا اور کہا کہ تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟ اپنا کام کرو، گویا یہ دونوں حضرات انصار کی بیعت سے ناخوش تھے۔ یہ عویم بن ساعدہ اور حضرت معن بن عدی

[1] [الاکمال مع مشکوۃ ص ۶۰۸]

تھے۔[۱]

وفات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۶۵/۶۶ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر بھی آپ کے جنازے کے ساتھ تھے اور فرماتے تھے: اس وقت دنیا میں ایک شخص بھی ان سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کوئی نشان کھڑا کیا، عویم ہمیشہ اس کے سائے میں رہے۔

اولاد

دو بیٹے عقبہ اور عبیدہ اپنے پیچھے چھوڑے۔

فضل وکمال

آپ نے ایک حدیث روایت کی جو شرحبیل[۲] بن سعد اور سالم بن عتبہ کے ذریعے سے مروی ہے۔

اخلاق

آپ صفائی اور پاکیزگی اور طہارت و نظافت میں ایک ممتاز اور نمایاں وصف رکھتے تھے چنانچہ آپ مسلمانوں میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے استنجاء میں پانی استعمال کیا اور دیگر اصحاب بھی ان کو دیکھ کر اس پر عمل کرنے لگے اور قرآن مجید نے اس بات پر صحابہ کی توصیف و تعریف فرمائی۔ چنانچہ مسجد قبا کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئیں ان میں ایک یہ آیت بھی ہے۔

﴿فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ﴾

[توبہ آیت ۱۰۸]

۱۔ [بخاری ص ۱۰۰۹ جلد دوم]

۲۔ [یہ کلمہ ش، ر، ح، ب، ی، ل ہے لوگ ح کی جگہ ج پڑھتے ہیں جو کہ غلط ہے (المغنی)]

''ان میں کچھ لوگ طہارت کو سخت دوست رکھتے ہیں اور اللہ بھی ایسے پاک رہنے والوں کو دوست رکھتے ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ طہارت کی وہ کون سی صورت ہے جس کی وجہ سے خدا نے تم لوگوں کی مدح فرمائی۔ جواب ملا۔

ہم جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔

ارشاد ہوا کہ طرز عمل بہت پسندیدہ عمل ہے تمہیں اس کا پابند ہونا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا آیت میں جن لوگوں کی تعریف کی گئی ہے وہ کون لوگ ہیں۔

تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ انہی میں ایک نیک مرد عویم بھی ہے۔[1]

بعض روایات میں آپ کے اوصاف حمیدہ ان الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔

''عویم اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور جنتی شخص ہیں''۔[2]

☆☆☆

---

[1] [فتح الباری ص ۱۳۳ جلد ۱۲]

[2] [سیر اعلام النبلاء ص ۲۲۲ جلد سوم]

سیّدنا مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب

آپ کا نام عوف اور کنیت ابوعباد تھی۔ سلسلہ نسب یہ ہے، مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف بن قصی قریشی مطلبی[1]

اسلام و غزوات

مسطح ابتداء میں ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور بدر کے معرکہ میں شریک ہونے کا شرف بھی حاصل کیا اور بدر کے بعد اور غزوات میں بھی شریک ہوئے۔

غزوہ بنی مطلق (جس کو غزوہ مریسیع بھی کہا جاتا ہے) میں افک کا واقعہ پیش آیا۔ آپ اس غزوہ میں شریک تھے۔

ہوا یوں کہ جناب نبی کریم ﷺ ۶ ھ میں جب غزوہ بنی مصطلق سے واپس ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ بھی اس غزوہ میں ہمراہ تھیں۔

ایک منزل پر قافلے نے پڑاؤ ڈالا اور آخر شب میں دوبارہ کوچ کے لیے منادی کی گئی تاکہ جس کی کوئی ضرورت ہو وہ اسے پورا کر کے کوچ کی تیاری کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے ذرا دور جنگل میں تشریف لے گئیں، اتفاق سے وہاں ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کو تلاش کرنے میں کچھ دیر ہو گئی، واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ ادھر قافلہ والوں نے حسب معمول حضرت عائشہ صدیقہ کے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھا اور سمجھے کہ صدیقہ اسی میں ہیں، حضرت عائشہ ابھی کم سن ہی تھیں ہلکی پھلکی ہونے کی وجہ سے ان کے ہونے نہ ہونے کا اندازہ نہ ہو سکا اور قافلہ اطمینان سے روانہ ہو گیا۔

یہ جب واپس ہوئیں تو قافلے کو نہ پا کر نہایت دانش مندی اور وقار کے ساتھ وہیں چادر لپیٹ کر بیٹھ گئیں کہ قافلے والوں کو جب معلوم ہو گا کہ میں قافلے میں نہیں ہوں تو

---

[1] [سیر اعلام النبلاء ص ۹ ۷ جلد ۳]

ڈھونڈتے ہوئے یقیناً یہیں آئیں گے اور اگر میں تلاش میں نکلی تو گم ہونے کا خطرہ ہے۔ آخر شب کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا تو وہیں چادر اوڑھے اوڑھے آنکھ لگ گئی، صبح سے کچھ پہلے صحابی رسول صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ ادھر آئے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلے سے پیچھے مقرر کیا تھا تا کہ پیچھے آ کر قافلے کی گری پڑی چیزیں اٹھا لائیں انہوں نے حضرت عائشہ کو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا یہ قریب ہوئے تو حضرت عائشہ کو پہچان کر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی اور جلدی سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان نے اپنا اونٹ قریب لا کر بیٹھا دیا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں اور یہ نکیل پکڑ کر پیدل چلنے لگے یہاں تک کہ قافلے سے جا ملے۔

عبداللہ بن اُبی بڑا منافق تھا اس کے ہاتھ شرارت کا ایک موقعہ آ گیا۔ اس نے حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگا دی اور اس جھوٹ کا خوب چرچا کیا۔ اس کے اس چرچے سے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عائشہ اور عام مسلمانوں کو انتہائی صدمہ ہوا وہیں کچھ سادہ لوح مسلمان اس منافق کے کہنے میں آ گئے۔ یہ تین افراد تھے جن پر سورۃ نور نازل ہونے کے بعد حد قذف لگائی گئی۔ ان میں ایک حضرت مسطح بن اثاثہ بھی تھے۔[۱]

مسطح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی لگتے تھے۔ اور غریب ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر آپ کا لگا بندھا نفقہ دیتے تھے۔

آیات برأت نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے قسم کھالی کہ آئندہ میں مسطح کو نفقہ نہ دوں گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (النور آیت: ۲۲)

''تم میں سے جو صاحب فضیلت اور صاحب قدرت ہیں وہ قرابت

---

۱ [بخاری ص ۶۹۸ جلد دوم]

والوں، محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی مدد نہ دینے کی قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ مسلمانو! کیا نہیں چاہتے تم کو اللہ جل شانہ تمہاری مغفرت کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت کے نزول کے بعد پھر ابوبکر صدیق نے ان کا نفقہ جاری فرما دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو بہتان لگا ان کو اس کا سب سے پہلے علم بھی مسطح کی والدہ سے ہوا وہ اس طرح کہ ایک دن مسطح کی والدہ حضرت عائشہ کے پاس گئیں اور مسطح کو کسی بات پر بددعا دی تو حضرت عائشہ نے پوچھا کہ آپ ان کو بددعا دیتی ہیں حالانکہ وہ بدری صحابی ہیں ان کی والدہ نے کہا کہ کیوں بددعا نہ دوں؟ اس نے آپ پر اتہام لگایا ہے۔ اس طرح اس واقعہ کا حضرت عائشہ کو علم ہوا جو ان کی طبیعت پر بہت اثر انداز ہوا یہاں تک کہ بخار میں مبتلا ہو گئیں۔[1]

حضرت مسطح کو اس جرم قذف کی پاداش میں بمطابق نص قرآنی ۸۰ کوڑے لگائے گئے اور ان کا یہ جرم بالکل صاف ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے بدری ہونے کی وجہ سے ان کی فضیلت میں شک کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

وفات

بعض روایات میں ۳۴ھ ہے اور صحیح روایت کے مطابق جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ لڑتے رہے اور ۳۷ھ میں بعمر ۵۶ سال انتقال فرمایا۔[2]

حلیہ

آپ کا قد چھوٹا اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور انگلیاں بھری ہوئی تھیں۔[3]

۱۔ [بخاری ص ۶۹۷ جلد ۲]

۲۔ [سیر الصحابہ ص ۲۷۰ جلد دوم]

۳۔ [سیر اعلام النبلاء ص ۸۷ جلد ۳]

﴿سیّدنا مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ﴾

نام و نسب

آپ کا اسم گرامی مسعود والد کا نام ربیع اور آپ کی کنیت ابوعمیر تھی۔ نسب کا سلسلہ یہ ہے۔ مسعود بن ربیع بن عمرو بن سعد بن عبد العزیٰ۔

قبول اسلام

آپ دعوت اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام لے آئے تھے جب کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار ارقم میں رہائش پذیر تھے۔

ہجرت و مواخاۃ

آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے اور ابوعبیدہ بن تیہان میں مواخاۃ کروادی تھی۔

غزوات

ہجرت کے بعد غزوہ بدر، احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

وفات

۳۰ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت عمر ۶۰ سال ہو چکی تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ[1]

☆☆☆

[1] [استیعاب بحوالہ سیر الصحابہ ص۳۲۴ جلد ۲]

سیّدنا معاذ بن حارث القاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی معاذ، اور کنیت ابوالحارث تھی، بعض نے کہا ہے کہ آپ کی کنیت ابوحلیمہ تھی اور آپ کا عرف قاری تھا۔

سلسلہ نسب یہ ہے معاذ بن حارث الانصاری، آپ کا تعلق بنوخزرج کے قبیلہ بنونجار سے تھا۔[۱]

غزوات

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں چھ سال گزارے اور فیض نبوت کا اکتساب کیا، آپ غزوہ خندق میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔ آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔ آپ ''یوم الجسر'' میں ابوعبید ثقفی کے ساتھ تھے اور میدان جنگ سے لوٹ آئے تھے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا وہ بالیقین ہمارے ساتھی ہیں۔[۲]

روایات

ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میرا منبر جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر واقع ہے۔''

آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح پڑھانے پر مقرر کیا تھا۔

وفات

آپ کی وفات زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پہلے واقع ہوئی۔ ایام حرہ میں ۶۳ھ میں آپ کو شہید کیا گیا۔[۳]

---

۱ [اسد الغابہ مترجم ص ۲۰۷ جلد سوم]

۲ [ایضاً] ۳ [ایضاً]

﴿سیّدنا مقداد بن الاَسود رضی اللہ عنہ﴾

نام ونسب

آپ کا نام مقداد اور کنیت ابو معبد تھی۔ سلسلہ نسب یہ ہے، مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود بن عمرو بن سعد۔ آپ کا تعلق قبیلہ ''بہراء'' سے تھا۔

آپ مقداد بن اسود کے نام سے مشہور تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے قبیلہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور بھاگ کر قبیلہ کندہ میں چلے گئے تھے وہاں بھی جھگڑا ہوا اور ایک آدمی کو قتل کر کے مکہ مکرمہ آگئے اور یہاں اسود بن یغوث کو اپنا حلیف بنا لیا اور اس نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ چنانچہ آپ کا نسب ان ہی کے نام سے مشہور ہوا اور آپ کو مقداد بن عمرو کے بجائے مقداد بن اسود کہا جانے لگا۔[1]

اسلام وہجرت

آپ قدیم الاسلام ہیں اور آپ کا شمار ''السابقون الاولون'' میں ہوتا ہے۔ آپ ان آدمیوں میں سے ہیں جنہوں نے مشرکینِ مکہ سے ڈرے بغیر اپنا اسلام مکہ مکرمہ میں ہی ظاہر کر دیا تھا۔

آپ نے حبشہ ہجرت کی تھی اور کچھ عرصہ بعد وہاں سے واپس آگئے تھے اور جب رسالت مآب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانے لگے تو مقداد ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکے اور پیچھے رہ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبیدہ بن حارث کی سرکردگی میں ایک دستہ مدینہ منوہ سے کسی مہم پر روانہ فرمایا اس دوران اُن کی مڈبھیڑ مشرکین کے ایک قافلے سے ہوگئی جس میں ابوجہل اور اس کا بیٹا عکرمہ (جو بعد میں صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے) بھی تھا۔

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ۲۴۴ جلد سوم]

مقداد اور عتبہ بن غزوان بھی ان میں شامل تھے تا کہ جہاں بھی اسلامی فوج سے ملاقات ہوگی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ جب دونوں گروہ آمنے سامنے آ گئے تو مقداد اور عتبہ اسلامی لشکر میں جا ملے اور یوں انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت کر کے دو ہجرتوں کا شرف حاصل کیا۔

غزوات

چونکہ شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے اس لئے غزوہ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ بدر میں آپ نے نہایت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ نبی ملاحم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بدر کو روانہ ہوئے تو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلے کی مدد کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشورہ کے لئے جمع کیا، پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا اور دونوں نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار فرمایا ان کے بعد مقداد اٹھے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم ملا ہے اسے بلا تامل پورا فرمایئے، بخدا ہماری طرف سے ایسا جواب نہیں دیا جائے گا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انہیں دیا تھا جب وہ قوم عمالقہ سے جہاد کے لئے روانہ ہو رہے تھے کہ ''تو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں''، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اگر ہمیں ''برک الغماد'' کی طرف لے جائیں تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ آپ کامیاب ہو جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تقریر سنی تو اُن کی تحسین فرمائی اور دعائے خیر کی۔

غزوہ بدر میں اسلامی لشکر کے پاس دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک مقداد بن اسود کے پاس تھا۔ آپ ان سات آدمیوں میں سے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے فتح مصر میں بھی آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔

فضائل ومناقب

آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے

سات نجیب، وزیر اور رفیق ہوتے ہیں اور مجھے چودہ ایسے نجیب و رفیق دیئے گئے، حمزہ، جعفر، ابوبکر، عمر، علی، حسن، حسین، ابن مسعود، سلمان، عمار، حذیفہ، ابوذر، مقداد اور بلال۔

اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں چار آدمیوں سے محبت کروں کیونکہ خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کے نام لیجئے! فرمایا علی، ابوذر، مقداد اور سلمان فارسی۔

آپ نے نبی کریم ﷺ سے متعدد احادیث روایت کیں۔

وفات

آپ کی وفات مدینہ منورہ سے تین میل دور مقام جرف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۰ برس کی تھی۔ حضرت مقداد نے ارنڈی کا تیل پی لیا تھا جس سے آپ کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور چربی باہر نکل آئی تھی۔[1]

آپ نے زبیر بن عوام کو اپنے بعد اپنا وصی بنایا تھا۔ اور آپ نے جگر گوشہء رسول سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہر ایک کے لئے اپنے مال میں سے آٹھ ہزار درہم کی اور ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے لئے سات ہزار درہم کی وصیت کی تھی آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔[2]

حلیہ

آپ کا رنگ گندمی اور قد لمبا تھا۔ پیٹ قدرے بڑھا ہوا تھا، سر کے بال کثیر اور بھنویں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔[3]

☆☆☆

---

۱ [سیر اعلام النبلاء ص ۳۸۰ ج ۲]

۲ [سیر اعلام النبلاء ص ۳۸۱ جلد دوم]

۳ [اسد الغابہ ص ۲۴۶ جلد سوم]

سیّدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ

نام و نسب

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن زید جہنی ہے۔ عبداللہ بن حبیب بن زید نے عبداللہ بن زید سے نقل کر کے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو، اگر (دوبارہ) چوری کرے تو اس کا پیر کاٹ ڈالو، اگر (تیسری) مرتبہ چوری کرے تو اس کا دوسرا ہاتھ کاٹ ڈالو اور اگر (چوتھی) مرتبہ چوری کرے تو اس کا (دوسرا) پیر کاٹ ڈالو اگر پھر چوری کرے تو اس کی گردن مار دو۔[1]

کتابوں میں آپ کے حالات زیادہ تفصیل سے نہیں ملتے انکے علاوہ جن اصحاب صفہ کے حالات مختصر نقل کیے گئے ہیں اسکی وجہ ظاہر ہے یا تو ان حضرات کا انتقال نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں ہو گیا تھا یا پھر کسی اور وجہ سے انکی زندگیاں پوری طور پر ہمارے سامنے نہ آسکیں۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو ستاروں کی مانند فرمایا ہے[2] اور مشاہدہ ہے کہ کچھ ستارے بہت عیاں اور کچھ مدھم اور کچھ پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح دین اسلام کے یہ ستارے بھی ہیں جو بعض تو بہت ظاہر ہیں اور بعض کے احوال زندگی مدھم یعنی بہت کم دستیاب ہیں، بہر حال ان سب کا امت محمدیہ صاحبہا الصلوۃ والسلام پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے پوری امت محمدیہ کی طرف سے تکالیف برداشت کیں اور اپنے لہو سے شجر اسلام کو سینچا کہ جس کا پھل آج تک ہم مسلمان کھا رہے ہیں اور حق تعالیٰ شانہٗ انہیں اپنی رحمت کے مطابق امت محمدیہ ﷺ کی طرف سے بہترین جزا سے نوازے اور ہمیں ان کے راستے کا پیروکار بنائے۔ اس لئے کہ

یہاں اک نگار ہے خیمہ زن، یہ حریم حسن نگار ہے
یہاں محو جلوہ سرمدی، وہ ہزار رشک بہار ہے
یہاں قدسیوں کا نزول ہے، یہ دلیل حسنِ قبول ہے
کہ نفَس نفَس کو جو ہے سکوں، تو نظر نظر کو قرار ہے

---

[1] [اسد الغابہ مترجم ص ۲۵۷ جلد دوم]

[2] [مشکوۃ ص ۵۵۴ یہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں البتہ مضمون کے اعتبار سے تسلیم شدہ ہے]

عذابِ الٰہی اور اس کے اسباب

اردو ترجمہ

العقوبات

مؤلف

ابن أبي الدنيا

مترجم

لجنة المصنفين لاہور

مولانا محمد حسن صاحب
مولانا خالد محمود صاحب
مولانا حبیب اعظم صاحب

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون [illegible]

عذابِ الٰہی

اَور

اس کے اسباب

اُردُو ترجمہ

العقوبات

مؤلف

ابن أبي الدنیاؒ

مترجم

لجنۃ المصنفین لاہور

بیت العلوم

۲۰-نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور-فون: ۳۵۲۴۸۳

موسیقی اور کھیل کے شرعی احکام

اردو ترجمہ

کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع

مصنف

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ

ترجمہ و اضافات

مفتی ثناء اللہ محمود مولانا سلمان اکبر

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۲۸۳۷۵۳

دیگر شہروں میں بیت العلوم کے اسٹاکسٹ

﴿ملتان﴾	﴿کراچی﴾	﴿راولپنڈی﴾
بخاری اکیڈمی مہربان کالونی ملتان	ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی	الخلیل پبلشنگ ہاؤس راولپنڈی
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	بیت القلم گلشن اقبال کراچی	﴿اسلام آباد﴾
بیکن بکس گلگشت کالونی ملتان	کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی	مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان	دار القرآن اردو بازار کراچی	المسعود بکس F-8 مرکز اسلام آباد
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	مرکز القرآن اردو بازار کراچی	سعید بک بینک F-7 مرکز اسلام آباد
اسلامی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	عباسی کتب خانہ اردو بازار کراچی	پیر بک سنٹر آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد
دار الحدیث بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	ادارۃ الانوار بنوری ٹاؤن کراچی	﴿پشاور﴾
﴿ڈیرہ غازی خان﴾	علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی	یونیورسٹی بک ڈپو خیبر بازار پشاور
مکتبہ زکریا بلاک نمبر ۱۰ ڈیرہ غازی خان	﴿کوئٹہ﴾	مکتبہ سرحد خیبر بازار پشاور
﴿بہاول پور﴾	مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ	لندن بک کمپنی صدر بازار پشاور
کتابستان شاہی بازار بہاولپور	﴿سرگودھا﴾	﴿سیالکوٹ﴾
بیت الکتب سرائیکی چوک بہاولپور	اسلامی کتب خانہ پھولوں والی گلی سرگودھا	بنگش بک ڈپو اردو بازار سیالکوٹ
﴿سکھر﴾	﴿گوجرانوالہ﴾	﴿اکوڑہ خٹک﴾
کتاب مرکز فریئر روڈ سکھر	والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ	مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
﴿حیدر آباد﴾	مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ	مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ خٹک
بیت القرآن چھوٹی گھٹی حیدر آباد	﴿راولپنڈی﴾	﴿فیصل آباد﴾
حاجی امداد اللہ اکیڈمی نیل روڈ حیدر آباد	کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی	مکتبہ العارفی ستیانہ روڈ فیصل آباد
امداد الغرباء کورٹ روڈ حیدر آباد	فیڈرل لاء ہاؤس چاندنی چوک راولپنڈی	ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد
بھٹائی بک ڈپو کورٹ روڈ حیدر آباد	اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید راولپنڈی	مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد
﴿کراچی﴾	بک سنٹر ۳۲ حیدر روڈ راولپنڈی	اقراء بک ڈپو امین پور بازار فیصل آباد
ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی	علی بک شاپ اقبال روڈ راولپنڈی	مکتبہ قاسمیہ امین پور بازار فیصل آباد